الھدیٰ (190)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیات 12 تا 14)

بسم اللہ الرحمن الرَّحیم

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا
تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ
اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۱۲ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۳ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۱۴﴾

''اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اگر اُن کے اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا۔ اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا حصہ چوتھائی۔ (لیکن یہ تقسیم) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُنہوں نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد (جو اُن کے ذمے ہو کی جائیگی) اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ۔ اور اگر اولاد ہو تو اُن کا آٹھواں حصہ۔ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے بعد (تقسیم کئے جائیں گے) اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اُس کے بھائی یا بہن ہو تو اُن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ (یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کئے جائیں گے) یہ اللہ کا فرمان ہے۔ اور اللہ نہایت علم والا (اور) نہایت حلم والا ہے۔ یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اُس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔''

اور تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے تمہارا حصہ آدھا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ مرنے والی کی کوئی اولاد نہیں۔ باقی جو نصف حصہ ہے وہ بیوی کے بھائیوں وغیرہ کو جائے گا۔ اور اگر مرنے والی کی اولاد بھی ہے تو پھر شوہر کے لیے چھوڑے گئے ترکے میں سے چوتھائی حصہ ہوگا اور باقی 3/4 اس کی اولاد میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور یہ ساری تقسیم بھی وصیت پر عمل درآمد اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔

اور اگر شوہر فوت ہو گیا تو اس کے ترکے میں سے بیویوں کا حصہ 1/4 ہے یہ اس صورت میں کہ تمہاری کوئی اولاد نہیں۔ اور اگر تمہاری اولاد بھی ہے تو پھر بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے۔ یہ بھی وصیت کی تکمیل اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔

اب اُس شخص کی وراثت کا ذکر ہو رہا ہے جو بے اولاد ہو اور اُس کے والدین بھی نہ ہوں۔ ایسے فرد کو کلالہ کہتے ہیں۔ وہ عورت بھی ہو سکتی ہے اور مرد بھی۔ اس کی جائیداد اُس کے بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگی۔ اب بہن بھائی تین قسم کے ہیں۔ سگے جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں انہیں عینی بھی کہتے ہیں۔ دوسرے وہ بہن بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں انہیں علاتی کہتے ہیں۔ تیسرے وہ بہن بھائی جو صرف ماں میں شریک ہوں اُن کے باپ الگ الگ ہوں ایسوں کی اخیافی کہتے ہیں عربوں میں صرف ایسے ہی بہن بھائی سوتیلے سمجھے جاتے تھے۔ اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ اس آیت میں اخیافی بہن بھائیوں کے حصے کا ہی ذکر ہے۔ یعنی کوئی شخص مرا ہے اور وہ کلالہ ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور اُس کی ایک بہن اور ایک بھائی ہے تو اُن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر بھائی بہن زیادہ ہیں تو وہ سب 1/3 حصہ میں برابر کے شریک ہیں۔ یوں اخیافی بہن بھائی کا حصہ برابر ہے کمی بیشی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ تقسیم میراث بہر حال وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہی ہوگی۔ پھر تقسیم میراث کا یہ کام ایسے ہونا چاہیے کہ کسی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اکمال حلم والا ہے۔ اس کے حلم سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ تم خلاف ورزیاں کر رہے ہو اور وہ پکڑ نہیں رہا۔ اس کی پکڑ جب آئے گی تو وہ بڑی سخت ہوگی۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا حدود سے تجاوز نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں۔ ان باغات میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتا اور اُس کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اُس کو آگ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اُس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔

یہ تو حکم ہے اُن کا جو ماں میں شریک ہوں اور باپ اُن کے جدا جدا ہوں یعنی اخیافی بہن بھائی۔ باقی دو قسم کے بہن بھائیوں عینی اور علاتی کا حکم مثل اولاد کے ہے بشرطیکہ میت کے باپ بیٹا کچھ نہ ہو۔ مقدم عینی ہے وہ نہ ہو تو پھر علاتی۔ اس سورت کے اخیر میں ان دونوں کی میراث کا ذکر آئے گا۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

دو قابل رشک کام

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا)) (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رشک نہیں کرنا چاہیے مگر ان دو آدمیوں سے ایک تو وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (بہت سا حلال) مال دیا ہے اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کا علم اور فہم عطا کیا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کی روشنی میں (ہر طرح کے اختلاف و نزاع کا) فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو دین کا علم سکھاتا ہے''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاخلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ		جلد
22	16 تا 22 جون 2005ء 8 تا 14 جمادی الاول 1426ھ	14

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے
☆☆☆
''ادارہ'' کا تمام مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

کشمیر بنے گا پاکستان؟

آج کل مقبوضہ کشمیر کی آل پارٹیز حریت کانفرنس (عباس گروپ) کے ممتاز رہنما آزاد کشمیر اور پاکستان کا دورہ کر رہے ہیں۔ ان میں میر واعظ عمر فاروق' عبدالغنی بھٹ' بلال انصاری' یاسین ملک اور عباس انصاری شامل ہیں۔ سید علی گیلانی نے بھارتی دستاویزات پر بس کے ذریعے آنے سے انکار کر دیا تھا اور شبیر شاہ اس لیے پاکستان نہ آ سکے کہ انہوں نے سفری دستاویزات میں قومیت کے خانہ میں خود کو بھارتی کی بجائے کشمیری لکھا تھا جس پر بھارتی حکومت نے انہیں پاکستان جانے کی اجازت نہ دی۔ آل پارٹیز حریت کانفرنس اس لئے تشکیل دی گئی تھی تا کہ کشمیر میں آزادی کی جدوجہد کرنے والی تمام جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے اور کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خلاف سیاسی اور عسکری سطح پر جدوجہد میں ایک ربط پیدا کیا جا سکے۔ لیکن کچھ وقت اکٹھا گزارنے کے بعد یہ اتحاد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ علی گیلانی اعلانیہ طور پر الگ ہو چکے ہیں اور وہ اپنے اس دیرینہ موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ کشمیر کا الحاق پاکستان سے ہونا چاہیے اور 1948ء میں اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں پر عمل درآمد ہونا چاہیے۔ جبکہ آزادی کی خواہش مند باقی جماعتیں اپنے سابقہ موقف میں مختلف تبدیلیاں لا چکی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی عوام جو کشمیر کے نام پر بے تحاشا مالی و جانی قربانیاں دے چکے ہیں' انہیں کبھی یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی کہ مسئلہ کشمیر کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کس کا پیدا کردہ ہے؟ اس کے لئے تین باقاعدہ اور بھرپور پاک بھارت جنگیں ہوئیں۔ چند چھوٹی جنگیں اور لاتعداد سرحدی جھڑپیں ہوئیں جن میں ہزاروں انسانوں کا خون بہا اور اربوں روپے کا اسلحہ و بارود استعمال ہوا۔ درجنوں مرتبہ اس مسئلہ پر پاک بھارت مذاکرات ہوئے۔ مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تحریک میں ایک لاکھ کے قریب کشمیری جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں' ہزاروں معذور ہو چکے ہیں اور ایک بہت بڑی تعداد لاپتہ ہے۔ ہزاروں کشمیری جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں لیکن کشمیریوں کے لئے آزادی اب بھی ایک خواب ہے جو کسی صورت شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔ بھارتیوں کی آج بھی وہی رٹ ہے کہ ''کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے''۔

سوال یہ ہے کہ اتنی زبردست قربانیوں کے باوجود کشمیر کا پاکستان سے الحاق کیوں نہیں ہو سکا یا کشمیر بھارت کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کیوں نہ ہو سکا؟ اس سوال کا تفصیلی جواب دینے کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے جبکہ اس کا مختصر ترین دوحرفی جواب پاکستان کی سیاسی و فوجی قیادت کا عدم خلوص اور غلط حکمت عملی ہے۔ ہماری سیاسی قیادت نے مسئلہ کشمیر کو اپنے اقتدار کے لئے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا اور فوجی قیادت نے اس مسئلہ کو عذر بنا کر قوت حاصل کی' پھر اس قوت سے کشمیر کی بجائے اسلام آباد کو فتح کیا۔ آخر یہ کیسی پالیسی ہے کہ جب اندرون ملک واہ واہ کرانے کی ضرورت محسوس ہو تو جہادیوں کو اسلحہ' پیسہ' نقشے اور سب سے بڑی بات کہ ان کی پشت پر تھپکی دو اور جب کوئی بیرونی قوت آنکھیں دکھائے اور اپنی کرسی کو خطرہ لاحق ہو تو انہیں دہشت گرد قرار دے دو' برا بھلا کہو اور جیلوں میں بند کر دو!

پاکستان اور بھارت کے درمیان کل تین جنگیں ہوئیں لیکن ان میں سے 1948ء اور 1965ء کی جنگیں خالصتاً مسئلہ کشمیر پر ہوئیں۔ 1948ء کی جنگ اگرچہ کسی باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی لیکن اس جنگ میں عوامی رنگ غالب تھا اور عوام مخلص تھے لہٰذا کشمیر کے کچھ علاقے آزاد کرائے گئے جو آزاد کشمیر کہلاتے ہیں۔ 1965ء کی جنگ میں پاکستان کی قیادت کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ جب چین سے امداد طلب کی گئی تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کا اصل ہدف کیا ہے۔ پاکستان کا جواب تھا چند روزہ جنگ' تا کہ عالمی سطح پر اس مسئلہ پر توجہ حاصل ہو سکے۔ جس قیادت کا ہدف بھی ادھورا ہو اور اعتماد متزلزل ہو' وہ کامیابی سے ہم کنار کیسے ہو سکتی ہے! اعلانیہ جنگ کے علاوہ جو دوسرا طریقہ پاکستانی قیادت نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ڈھونڈا وہ غیر اسلامی بھی تھا اور غیر اخلاقی بھی' یعنی اوپر اوپر سے بھارت سے تعلقات اچھے رکھو اور کچھ لوگوں کو پوشیدہ طور پر کشمیر میں داخل کر دو' وہ وہاں بھارتیوں کے خلاف گوریلا کارروائیاں کریں۔ ایسے لوگوں کی اسلحہ اور مال سے مدد کرو اور ظاہری طور پر ان سے اعلانِ براءت کر دو۔ اس پالیسی سے دو طرفہ نقصان ہوا' ایک تو بھارتی افواج کو کشمیریوں پر ظلم و ستم ڈھانے کا عذر ہاتھ لگ گیا اور دوسرا اہم یہ دنیا میں دہشت گردی کا ٹھپہ لگ گیا جس کے نقصانات قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

ہماری رائے میں کشمیریوں کو 1947ء کے نامکمل ایجنڈے کے تحت یہ حق حاصل ہے کہ وہ استصواب رائے کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں یا بھارت سے اور پاکستان کو بھی یہ حق (باقی صفحہ 14 پر)

سید قاسم محمود

وطنیت

(یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصوّر کے)

اس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے' وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

ہو قیدِ مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزادِ وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سُنّتِ محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوّت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشادِ نبوّت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اقبال نے جہاں جہاں وطنیت کی مذمت کی ہے' اس کا مطلب عام لوگ غلط سمجھتے رہے ہیں۔ وطنیت کے دو مفہوم ہیں:

اوّل کسی خاص وطن کا باشندہ ہونا۔ انسان جہاں پیدا ہوتا ہے' پرورش پاتا ہے' زندگی کے دن گزارتا ہے' اُس خاک سے اُسے طبعی محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کی بہتری اور بہبود کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ اسے دشمنوں کی یورش سے بچانے کے لیے تکالیف اٹھاتا اور اپنا خون بہاتا ہے' کیونکہ اِسی خاک کی حفاظت پر خود اس کی' اُس کی اولاد' عزیزوں اور دوسرے لاکھوں ہم وطنوں کی زندگی اور فلاح موقوف ہوتی ہے۔ اقبال نے کہیں بھی وطنیت کے اِس مفہوم کو برا نہیں کہا۔

دوسرا مفہوم وہ ہے کہ جو اہلِ مغرب نے اختیار کیا ہے' یعنی وطن کو قوم کی بنیاد قرار دینا۔ یورپ میں ہر قوم کی بنیاد وطن پر ہے۔ مثلاً انگریز قوم وہ ہے جو انگلستان میں رہتی ہے۔ فرانسیسی قوم وہ ہے جو فرانس میں آباد ہے۔ اسی طرح جرمن جرمنی میں' رُوسی روس میں' پرتگیزی پرتگال میں' وغیرہ۔ وطنیت کے اِس مفہوم نے انسانوں کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ ان میں وطنیت اور قومیت کی بنیاد پر جنگیں اور خون ریزیاں شروع ہو گئیں۔ یورپ اِسی وطنیت ہی کی وجہ سے دو مرتبہ نہایت خوفناک جنگوں کا تختۂ مشق بنا۔

وطنیت کے اس دوسرے مفہوم کے خلاف لگاتار آواز بلند کرتے رہنا علامہ اقبال کی زندگی کے بہت بڑے کارناموں میں ایک قابلِ قدر کارنامہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یورپ دنیا پر مسلط ہو گیا ہے۔ مسلمان سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے کمزور ہو چکے ہیں۔ مغربی تہذیب اور علوم مسلم ملکوں میں تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ بیشتر مسلم ملکوں نے وطنیت کے یورپی مفہوم کو بھی اپنا لیا ہے۔ جو وطنیت یورپ میں عام جنگ و جدل کا باعث تھی' وہ مسلم ملکوں میں بھی پہنچ رہی ہے۔ ایک مسلم ملک دوسرے مسلم ملک سے آمادۂ فساد رہتا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے وطنیت کے مغربی سیاسی تصور سے اُمت مسلمہ کو بچانا اپنی زندگی اور شاعری کا مشن بنا لیا تھا۔ چار بندوں پر مشتمل یہ نظم اِسی جذبہ مُسلسل کی ایک کڑی ہے۔

پہلے بند میں اقبال فرماتے ہیں کہ یہ دور جس میں ہم زندہ ہیں' وہ اپنی نئی روایات و اقدار کے ساتھ برسرِ عمل ہے۔ پُرانی اقدار مٹ رہی ہیں اور نئی قدریں جنم لے رہی ہیں۔ مغربی تہذیب کی تقلید میں مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو چھوڑ کر ایک نیا صنم کدہ بنا لیا ہے۔ ایک نیا حرم تعمیر کر لیا ہے۔ جدید تہذیب کے بُت تراش آزر نے جو نئے بُت تراشے ہیں' اپنے لیے جو تازہ خدا بنائے ہیں' اُن میں سب سے بڑا اور بلند و بالا بُت ''وطن'' کا ہے' اور وطنیت کے بُت کو جو لباس پہنایا ہے' وہ مذہب اور عقائد و ایمانیات کے لیے کفن کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمان بھی اب خدائے واحد اور معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر وطن کا پرستار بن گیا ہے۔

دوسرے بند میں کہا گیا ہے کہ نئی تہذیب نے وطنیت کا جو یہ نیا بُت تراشا ہے' وہ رسولِ کریم ﷺ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کا غارت گر ہے۔ تیرا بازو اگر طاقتور ہے تو توحیدِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اگر تیرا تعلق رسولِ کریم ﷺ سے ہے تو تیرا وطن کوئی ایک ملک یا خطّہ یا علاقہ نہیں' بلکہ پوری دنیا' پورا عالمِ اسلام تیرا وطن ہے۔ اے مسلمان! زمانے کو ایک بار پھر اسلام کی وہی پُرانی جھلک دے اور وطنیت کے اِس بُت کو بھی' لات و منات کی طرح' خاک میں مِلا دے۔

تیسرے بند میں اقبال مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ وطن و مقام کی قید کا نتیجہ تو تباہی ہے۔ دنیا کے سمندر میں تُو مچھلی کی طرح' پانی کی قید سے ماورا ہو جا۔ کسی ایک جگہ قیام نہ کر۔ آنحضرتؐ کی سنّت یعنی ہجرت کر' کسی ایک مکے میں محصور نہ ہو۔ مدینہ بھی آباد کر۔ اے مسلمان! جدید سیاست کی اصطلاح میں وطن کا مفہوم کچھ اور ہے' اور حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق وطن کا مفہوم کچھ اور ہے۔

چوتھا بند: اقوامِ عالم کے مابین رقابت اور جنگ و جدال وطن اور وطنیت ہی کے سبب پیدا ہوا ہے۔ اسی کے باعث تجارت کا مقصد بھی دوسرے ممالک کا تسخیر کرنا ہے۔ سیاست میں اگر سچائی اور صداقت نہیں ہے تو اِس کی وجہ بھی وطنیت کا غلط تصوّر ہے۔ کمزور اقوام کی تباہی کا سبب بھی وطنیت ہے۔ وطنیت ہی کی وجہ سے مخلوقِ خدا یعنی پوری انسانیت مختلف ممالک و اقوام میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ وطنیت کے مغربی تصوّر نے تو اسلام کی روح کو بھی مسخ کر دیا ہے۔

حرمتِ قرآن کے تقاضے......قرآن مجید کے ہم پر پانچ حقوق

(گزشتہ سے پیوستہ)

[illegible] 3 [illegible] 2005 [illegible]

گزشتہ خطاب جمعہ میں ''حرمت قرآن'' کے موضوع پر گفتگو ہوئی تھی۔ اگرچہ اس وقت حرمت قرآن کے تقاضے اور ہماری ذمہ داری کے حوالے سے کچھ باتیں سامنے آئی تھیں تاہم اس موضوع کے حوالے سے تشنگی رہ گئی تھی۔ لہٰذا آج اس پہلو پر قدرے تفصیلی گفتگو کا ارادہ ہے۔

قرآن مجید کا احترام ہم پر واجب ہے' لیکن ہم سے اس کے احترام کا تقاضا کیا ہے' ہم اس کا احترام کریں کیسے کریں؟ ایک طریقہ تو ہمارے ہاں مستعمل ہے کہ اسے بڑی ہی عقیدت کے ساتھ ریشمی جزدان میں لپیٹ کر اوپر طاق میں رکھ دیا جائے اور ہر مہینے جب گھر کی صفائی ہوتی ہے' اس وقت اس پر سے بھی گرد جھاڑ دی جائے۔ کیا حرمتِ قرآن کا یہی تقاضا ہے؟ اتنی عظیم کتاب جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے' اس کا یہی حق ہے؟ بہرکیف ہم اگر اس کا احترام کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ یہ ہے سب سے اہم سوال کہ انفرادی طور پر احترام قرآن کا ہم میں سے ہر شخص سے کیا تقاضا ہے؟ اسی طرح اجتماعی سطح پر' ریاست کی سطح پر' ملکی سطح پر' قومی سطح پر احترام قرآن کے کیا تقاضے ہیں؟ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی مقبولِ عام تحریر ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا اصل موضوع یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا اور یہ عظیم کتاب ہمیں عطا کی ہے تو اب ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ اس کتاب کی عظمت' اس کے ادب و احترام کے تقاضے ہم سے کیا ہیں۔ یہ مضمون پہلے میثاق میں چھپا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پروفیسر سلیم چشتی مرحوم جو بڑے سکالر' محقق اور کثیر المطالعہ شخص تھے' قرآن سے بھی انہیں ذہنی وقلبی بڑی گہری دلچسپی تھی' درس قرآن بھی دیتے تھے' انہوں نے اس پر اپنا تبصرہ ایک مضمون کی شکل میں لکھا' وہ تبصرہ بڑا دلچسپ تھا۔ اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں انہوں نے لکھا کہ برادرم ڈاکٹر اسرار نے ہمیں قرآن مجید کے پانچ حقوق یاد کروائے جبکہ آج تک ہم قرآن مجید کے احترام کے کوئی اور پانچ حق سمجھے بیٹھے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ قرآن کا پہلا حق یہ کہ اسے ریشمی جزدان میں لپیٹ کر اوپر رکھ دیا جائے۔ ہم نے دوسرا حق یہ سمجھا تھا کہ اس سے فال نکالی جائے' ہمارے نزدیک قرآن کا تیسرا حق یہ تھا کہ بیٹی کو جہیز میں دیا جائے' چوتھا حق تھا کہ رخصتی کے وقت بیٹی کو اس کے سائے میں رخصت کیا جائے۔ اور پانچواں حق اب تک ہم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مرتے ہوئے شخص کو سورہ یٰسین پڑھ کر سنا دی جائے تاکہ جان آسانی سے نکل سکے۔ لیکن ڈاکٹر اسرار نے بتایا کہ نہیں اصل تقاضے کچھ اور ہیں اور انہوں نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ اسی بات کو آگے بڑھائیں تو ہم نے آج کل ایک مصرف اور نکال لیا ہے' کہ مرنے کے بعد ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھ لیا جائے۔ لیکن یہ کتاب جسے اقبال نے کتاب زندہ کہا اس کا اگر کوئی مصرف ہے تو صرف مردوں کے لیے' معاذ اللہ۔ اقبال نے شاید اسی پر یہ شکوہ کیا تھا کہ۔

با آیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

اور

رفت سوزِ سینۂ تاتار و کرد
یا مسلماں مُرد یا قرآں بہ مُرد

اقبال کہتے ہیں کہ تاتار اور کرد جن کے ذریعے اسلام کا احیاء ہوا تھا ان کے سینوں سے بھی اب سوز ختم ہوگیا۔ وہ جذبہ وہ لگن' وہ جہادی روح باقی نہیں رہی۔ یا مسلمان مر گیا ہے یا قرآن مر گیا ہے (معاذ اللہ)؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن تو مر نہیں سکتا لیکن ہمارا تعلق جو قرآن کے ساتھ ہونا چاہیے تھا وہ مردہ ہوگیا' اور ہم نے اس قرآن کو نسخہ موت بنا کر رکھ دیا۔ یہ ہے جو آج کل قرآن سے مسلمانوں کے تعلق کی صورتحال ہے۔ لہٰذا ہمیں جاننا چاہیے کہ احترام قرآن کے صحیح تقاضے کیا ہیں۔ یہاں یہ جان لیجیے کہ اگر ہم نے قرآن مجید کے احترام کے ان تقاضوں کو پورا نہ کیا' جو قرآن و حدیث سے ہمارے سامنے آتے ہیں' تو ہم اس کا بظاہر کتنا ہی ادب و احترام کریں' چوم چاٹ کر رکھیں' اللہ کی نگاہ میں ہم بھی قرآن کی بے حرمتی کرنے والوں میں شامل ہوں گے۔ اس حوالے سے قرآن مجید ہی کا ہمارے خلاف ایک فتویٰ ہے وہ ذرا سن لیجیے تاکہ مضمون کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔ سورہ جمعہ کی آیت نمبر 5 میں ہے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ﴾ اس قوم کی مثال جسے ہم نے تورات عطا کی تھی جس کو حامل تورات بنایا گیا تھا (دراصل بنی اسرائیل کا ذکر ہوتا ہے ہمیں آئینہ دکھانے کے لیے) پھر انہوں نے اس کتاب کو نہیں اٹھایا۔ یعنی اس کے حامل ثابت نہیں ہوئے جیسے کہ ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ وہ بھی تورات کو بہت مقدس سمجھتے تھے۔ اس کے ادب واحترام میں ان کے ہاں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن چونکہ ان کا رویہ بھی تورات کے ساتھ وہی تھا جو آج ہمارا ہے چنانچہ فرمایا کہ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس نے عالمانہ کتابوں کا بوجھ اپنی کمر پر اٹھایا ہوا ہے۔ اگر ہم بھی احترام قرآن کے ان تقاضوں کو پورا نہیں کریں گے جو قرآن حدیث سے ہمارے سامنے آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا یہی فتویٰ ہم پر بھی لاگو ہوگا اور ہم بھی اللہ کی نگاہ میں قرآن کی بے حرمتی کے مرتکب ٹھہریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو اُمت کو کو مار پڑ رہی ہے۔ وہ اسی جرم کی سزا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یہاں ایک بات اصولی طور پر یہ بھی سمجھ لیجیے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ یہ قرآن ابدی ہدایت نامہ اور The Guidance ہے جو ہماری اس دعا ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ کے جواب میں اللہ نے عطا کیا ہے' تو ظاہر بات ہے کہ یہ ماننے کا منطقی تقاضا یہ ہوگا کہ اس راہنمائی سے استفادہ کریں' اس کو پڑھیں' اس کو سمجھیں' اس پر غور کریں اور اس میں جو ہدایت اور گائیڈلنس دی گئی ہے' اس کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کریں۔ اسے اپنا امام اور راہنما بنائیں' اس کے پیچھے چلیں۔ اگر ہم یہ نہیں کر رہے تو گویا ہم نے اس کو اللہ کی کتاب نہیں مانا کہ یہ ہماری راہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ یہ عمل سے انکار ہے۔ اگر ہم اپنے معاملات خود طے کریں' یعنی ہمارا معاشی نظام کیسے چلے گا' سیاسی نظام کیسے چلے گا۔ ریاست کا کاروبار کیسے چلے گا اس کے لیے ہم قرآن وسنت کی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہ سمجھیں تو عملاً یہ تکذیب ہے قرآن کی۔ چنانچہ سورہ جمعہ کی آیت نمبر 5 کا آخری حصہ اسی سے متعلق ہے فرمایا ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''بُری مثال ہے (جو گدھے کی مثال دی گئی ہے) اس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ہے''۔ حالانکہ یہود نے

کبھی تورات کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ اسی طرح فخر کرتے تھے اپنے اہل کتاب ہونے پر جیسے ہمیں فخر ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی آخری کتاب ہے۔ انہوں نے اپنے عمل سے جھٹلایا تھا۔ جب اس سے تم فائدہ نہیں اٹھا رہے‘ اسے اس نیت سے پڑھ نہیں رہے کہ اس پہ عمل کرنا ہے‘ نہ اس سے راہنمائی حاصل کر رہے ہو‘ نہ اپنی انفرادی نہ اجتماعی زندگی میں اس سے کوئی روشنی حاصل کر رہے ہو تو درحقیقت تم اللہ کی آیات کی تکذیب کر رہے ہو۔

اب آیئے قرآن مجید کے حقوق کی طرف کہ قرآن ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا ایک وصف بیان ہوا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ ”جنہیں کتاب ہم عطا کرتے ہیں۔ (جو واقعی اس کے قدردان ہیں) وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں“۔ تلاوت کیا ہے؟ ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ بس عربی متن پڑھ لیا تلاوت ہو گئی۔ تلاوت کا مفہوم بہت گہرا ہے۔ ایک تو اس کلام سے گہری عقیدت اور ادب و احترام ذہن میں ہو کہ یہ شہنشاہِ ارض و سمٰوٰت کا کلام ہے۔ اس احساس کے تحت اس قرآن کا پڑھنا‘ اور تلاوت میں چونکہ مفہوم شامل ہے پیچھے پیچھے چلنا‘ Follow کرنا یعنی جو ہدایت سامنے آ رہی ہے اس کو اختیار کرنا۔ گویا اس میں understood ہے سمجھنا بھی اور عمل کی نیت ہونا بھی۔ ایک لفظ تلاوت میں یہ سارے مفاہیم شامل ہیں۔ وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں یعنی عقیدت اور احترام کے ساتھ پڑھتے بھی ہیں‘ سمجھتے بھی ہیں اور اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ اس کے مطابق زندگی استوار کریں گے اسی کو اپنا امام اور راہنما بنائیں گے۔ حق تلاوت کے حوالے سے قرآن مجید کا وہ مقام بھی ذہن میں رہنا چاہیے ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًاؕ﴾ قرآن کے انوار کو اپنی روح میں جذب کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ آنحضورﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کا معمول کیا تھا۔ رات کا ایک بڑا حصہ‘ نصف شب‘ دو تہائی یا ایک تہائی رات قرآن مجید کو نوافل میں ٹھہر ٹھہر کر‘ سمجھتے ہوئے‘ غور و فکر کرتے ہوئے پڑھتے تھے۔ اس انداز سے قرآن پڑھنا حق تلاوت ہے۔

سورۂ ص میں فرمایا: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِؕ﴾ اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف نازل فرما دی ہے بہت بابرکت۔ لیکن کس لئے نازل کی ہے ﴿لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ﴾ تاکہ جو اس کتاب کے ماننے والے ہیں وہ اس کی آیات میں تدبر کریں‘ غور و فکر کریں۔ تدبر سے مراد ہے گہرائی میں اتر کر مفاہیم اور حکمتیں اخذ کرنے کی کوشش کرنا۔ ﴿وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ”اور اس سے نصیحت حاصل کریں وہ لوگ کہ جو ہوش مند ہیں‘ سمجھدار ہیں“۔ قرآن مجید کا جو Moral Lesson ہے وہ اخذ بھی کریں اور اس سے فائدہ بھی اٹھائیں۔

اس سے آگے چلیے‘ سورۂ اعراف میں آنحضورﷺ کے جو سچے پیروکار ہیں ان کے جو اوصاف بیان ہوئے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ: ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ یہ ہدایت کا نور ہے جو اللہ نے عطا کر دیا ہے نبیﷺ کے ذریعے‘ آپؐ کے امتی اس کا اتباع کرتے ہیں اور اس قرآن پر عمل کرتے ہیں۔ سچا امتی تو وہی ہے جس کی زندگی اس رخ پر ہو۔ کوئی فکری الجھن ہو‘ کوئی علمی مسئلہ ہو‘ وہ رجوع کرے قرآن کی طرف‘ کوئی عملی مشکل ہو‘ چاہے وہ معاشیات کے میدان میں ہو‘ سیاسی میدان میں ہو‘ ریاستی امور میں ہو‘ کوئی خارجہ پالیسی کا مسئلہ ہو قیامت تک کے لیے اصل راہنما یہ کتاب ہے۔ ((مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا)) اس کو تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے‘ ورنہ تمہاری حالت یہ ہو گی جیسا کہ ایک حدیث میں آیا کہ دسترخوان پر کھانا جب چن دیا جاتا ہے اور پکارا جاتا ہے کہ آؤ تناول کرو‘ اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ اقوام عالم اس امت پر ٹوٹ پڑیں گی۔ یہ حالت ہو گی اگر تم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ احترام قرآن کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر واقعی محترم سمجھتے ہو تو اس کا اتباع کرو‘ ہر معاملے میں اس کو اپنا امام سمجھو۔ دعائے ختم قرآن میں یہی تو کہتے ہیں۔ ((وَاجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّ نُوْرًا‘ وَهُدًى وَّرَحْمَةً))‘ ”پروردگار اس قرآن کو ہمارے لیے امام بنا دے‘ یہ ہمارے سامنے ہو‘ ہم اس کے پیچھے چلیں اور روشنی بنا دے‘ اس کی روشنی میں ہم سفر حیات طے کریں اور ہمارے لیے ہدایت بنا دے‘ ہر مسئلے میں ہم اس سے راہنمائی حاصل کریں۔ اور اسے ہمارے لیے موجب رحمت بنا دے“۔ جب ہم اس طور سے قرآن کو اپنا امام اور حادی تسلیم کریں گے تو پروردگار کی رحمت ہمیں اپنی آغوش میں لے لے گی۔ اس دعا کے حوالے سے بھی احترام کا تقاضا یہ سامنے آتا ہے کہ قرآن پر عمل کیا جائے۔

ایک حدیث میں یہ وارننگ بھی دی گئی ہے ((وَمَنْ يَّبْتَغِ الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ فَشَيْءٍ اَضَلَّهُ اللّٰهُ)) قرآن کے ہوتے ہوئے جس نے کہیں اور سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر کے چھوڑے گا۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن اور حدیث دونوں کو ملا کر ہدایت اور رہنمائی مکمل ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی تشریح احادیث ہیں۔ سنت کیا ہے؟ قرآن کی عملی تعبیر ہے۔ ہدایت کے لیے قرآن و حدیث کے علاوہ جو کہیں دائیں بائیں جائے گا جیسے ہماری قومی زندگی میں ایک بہت بڑا مسئلہ آیا تھا جب ہم سے مطالبہ کیا گیا تھا طالبان ایشو کے اوپر کہ ہم کفر کا ساتھ دیتے ہیں یا طالبان کا۔ لیکن قرآن کو تو ہم نے اس قابل سمجھا ہی نہیں کہ اس میں رہنمائی لینا بھی ضروری ہے۔ پس ہم نے زمینی حقائق کا بہانہ بنا کر کفر کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سے رہنمائی لے گا تو اللہ تعالیٰ گمراہ کر کے چھوڑیگا۔

اسی طریقے سے احترام قرآن کا ایک اور تقاضا سامنے آتا ہے‘ اجتماعی زندگی کے حوالے سے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝﴾ جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں یعنی عدالتوں میں‘ ملکی معاملات میں فیصلے اگر اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق نہیں ہو رہے تو یہی لوگ کافر ہیں۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝﴾ یہی لوگ فاسق ہیں ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝﴾ لوگ ظالم ہیں۔ یہ قرآن اس لیے نہیں دیا گیا تھا کہ بس پڑھ لو‘ یا ریشمی رومال میں لپیٹ کر رکھ دو‘ یا ایصال ثواب کے لیے پڑھ لیا کرو اور نہ اس لیے کہ قرآن نازل کیا گیا کہ محض اس کو ریسرچ کا موضوع بنا کر اس پر تحقیق شروع کر دی جائے‘ بنیادی بات یہ ہے کہ اس پر عمل کرو‘ اس سے رہنمائی حاصل کرو اپنی عملی زندگی میں‘ اور اس میں جو نظام دیا گیا ہے اس کو قائم کرو‘ یہ حرمت قرآن کا تقاضا ہے۔ لیکن 57 اسلامی ملکوں میں کہیں بھی اللہ کا دین‘ اللہ کا قانون نافذ نہیں ہے‘ یہ بھی ایک اعتبار سے قرآن کی بے حرمتی ہے۔ جزوی طور پر صرف کچھ حدود سعودی عرب میں نافذ ہیں۔ لیکن نظام اجتماعی کے بہت سے گوشے ان کے ہاں بھی قرآن کی ہدایت سے خالی ہیں۔ اسی حوالے سے قرآن نے یہ بھی کہا ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اے اہل کتاب! (خطاب تو بنی اسرائیل اور نصاریٰ سے ہے لیکن آئینہ ہمیں دکھایا گیا ہے۔) تم کسی بنیاد پر نہیں ہو‘ تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم سے دعا کرو‘ تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ تم اپنے آپ کو اہل کتاب کہو‘ جب تک کہ تورات اور انجیل کو نافذ نہیں کرتے‘ قائم نہیں کرتے۔ جو اللہ نے نازل کیا ہے تم پر اگر اس کو تم نے نافذ اور قائم نہیں کیا تو کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم اہل کتاب ہیں‘ ہم تورات کے ماننے والے ہیں یا انجیل کے ماننے والے ہیں۔ قرآن کا یہی خطاب ہم سے بھی ہے کس بنیاد پر یہ کہتے ہو کہ ہم صاحب قرآن ہیں‘ کس بنیاد پر اللہ سے دعائیں کرتے ہو کہ پروردگار ہماری مدد کر دشمنوں کے مقابلے میں‘ حالانکہ جو چیز اللہ نے تمہیں عطا کی ہے‘ جو تمہارے لیے فضیلت اور شرف کا باعث ہے‘ اسے تم نے قائم ہی نہیں کیا۔ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا الْقُرْاٰنَ گویا ہمارے لئے بھی اللہ کا پیغام یہی ہے کہ تم کس منہ سے ہم سے دعائیں کرتے ہو‘

تمہیں حق نہیں ہے کہ ہم سے دعا کرو، تمہیں حق نہیں ہے کہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرو جب تک کہ اس قرآن کو نافذ و قائم نہیں کرتے۔

ایک حدیث مبارکہ میں بھی قرآن مجید کے احترام کے تقاضے بڑی خوبصورتی سے آئے ہیں۔ ((یَـــا اَهْـــلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ)) اے اہل قرآن! اے وہ لوگو جنہیں اللہ نے اپنا آخری کلام اور سب سے باعزت کتاب عطا فرمائی، قرآن کو تکیہ نہ بنالینا۔ یہ بڑا ذو معنی لفظ ہے۔ تکیہ عام طور پر پیٹھ کے پیچھے رکھا جاتا ہے یعنی تم قرآن کے احکام کو پس پشت نہ ڈال دینا، نظر انداز نہ کر دینا۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تکیہ پر انسان ٹیک لگاتا ہے اس پر سہارا لیتا ہے۔ یعنی اسے محض ذہنی سہارا نہ بنالینا جیسے یہود نے بنا لیا تھا کہ صاحب کتاب ہونے پر فخر تھا لیکن احترام کے تقاضے پورے نہیں کر رہے تھے۔ کہیں یہی معاملہ تم نہ کرنا۔ بلکہ تمہیں چاہیے کہ اس کتاب کو سمجھ کر اور اس پر عمل کی نیت سے اسے پڑھا کرو۔ اس کا حق تلاوت ادا کرو صبح و شام۔ قرآن کے حوالے سے ایک اور اضافی ذمہ داری بھی ہم پر ہے جو اس سے پہلے یہود و نصاریٰ پر نہیں تھی۔ وہ کیا ہے؟ وہ حدیث میں آئی ہے (وَافْشُــوْهُ) اس کو پھیلانا، اس کا افشاء کرنا چاردانگ عالم میں، یہ اللہ کی جو ہدایت اور رہنمائی ہے پوری نوع انسانی کے لیے ہے اور جنہیں اللہ نے حامل قرآن بنایا، ان کی ذمہ داری ہے کہ بقیہ نوع انسانی تک اس کو پہنچائیں۔ اس کے نور کو عام کریں۔ اسی قرآن کے احترام کا تقاضا یہ بھی ہے وَتَغَنَّوْهُ کہ اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو، اور ایک مفہوم اسی لفظ کا یہ بھی بیان ہوا کہ اس کو پا کر مستغنی ہو جاؤ یعنی جس کو یہ دولت مل جائے وہ دنیاوی دولت سے مستغنی ہو جائے کہ مجھے اصل دولت مل گئی ہے۔ دنیا کے پیچھے نہ پڑے، تمہارا یہ طرز عمل تمہارا ہونا چاہیے۔ وَتَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اس کی آیات میں غور و فکر کرو، تدبر کرو، اس لئے کہ ہر دور کے مسائل کے لئے رہنمائی اسی سے ملے گی لیکن اس کے لئے اس میں غوطہ زنی کرنی ہوگی، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یہ ہیں قرآن کی حرمت کے تقاضے جن کے بارے میں قرآن و حدیث سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔

انہی قرآنی آیات و احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کے پانچ حقوق، جو اپنے کتابچے میں نقل کیے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا ایمان و تعظیم ہے۔ گہرا ایمان و یقین ہو کہ یہ شہنشاہ ارض و سماوات کا کلام ہے۔ یہ احساس جتنا گہرا ہوگا، اتنا ہی ادب و احترام دل میں ہوگا۔ دوسرا یہ کہ تلاوت و ترتیل، اس کو پڑھا جائے اس کی تلاوت کا حق ادا کیا جائے، ترتیل کے انداز میں پڑھنے کی کوشش کی جائے۔ تیسرا یہ کہ اس کو سمجھا جائے جیسے کہ اس کے سمجھنے کا حق ہے۔ چوتھا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، انفرادی سطح پر بھی اس کا اتباع ہو اور اجتماعی سطح پر اس نظام کو قائم کیا جائے۔ پانچواں حق جس کا ذکر حدیث میں تھا (وَافْشُوْهُ) اس کو پھیلایا جائے، اس کو عام کیا جائے، اس نور کو پوری دنیا تک پہنچانا، نوع انسانی کے ہر فرد تک پہنچانا یہ ہماری ذمہ داری ہے، اس امت کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم قرآن کے یہ حقوق ادا کرتے ہیں تو اللہ کا وعدہ ہے۔ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥﴾ اگر تم صحیح معنوں میں مسلمان ہوئے، مومن ہوئے، ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا تو تم ہی غالب اور سربلند ہوگے۔ اگر یہ نہ کیا، قرآن کے احترام کے ان تقاضوں کو اگر امت مسلمہ نے خود پورا نہ کیا تو وہ بات جو اس حدیث میں آئی ہے، جس کے راوی حضرت عمرؓ ہیں، ہم پر پوری ہو کر رہے گی۔ ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) اللہ تعالیٰ اسی قرآن کی بدولت قوموں کو عزت اور سربلندی عطا کرے گا اور اسی کو ترک کرنے کی پاداش میں ذلیل و رسوا کرے گا۔ ہمارے لیے بھی عزت و سربلندی کا راستہ یہی ہے کہ اگر قرآن کو ہم اپنی انفرادی ہی نہیں، اجتماعی زندگی میں بھی محترم سمجھتے ہیں تو اسے اپنی عملی زندگی میں بھی محترم سمجھیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دیں کہ ہم اپنی انفرادی ہی نہیں، اجتماعی زندگی میں بھی واقعی اسے سب سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اس کے تقاضوں کو پورا کریں گے تو اللہ دنیا میں بھی عزت اور سربلندی عطا کرے گا، اور ہم آخرت میں بھی سرخرو ہوں گے۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

✿✿✿

پریس ریلیز | 10 جون 2005

"اللہ کے دین سے غداری کے نتیجے میں ذلت و مسکنت کا عذاب آج پوری اُمت پر مسلط ہے"۔

کشکول توڑنے کا دعویٰ کرنے والی حکومت نے بیرونی قرض لینے کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ بجٹ اعداد و شمار کا گورکھ دھندا ہے۔ جس میں اصل ریلیف صرف سرمایہ داروں کو دیا گیا ہے۔ معاشی استحکام کے حکومتی دعوے فریب دہی پر مبنی ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ حکومت جتنا زیادہ قرض لے گی، ہم اسی قدر معاشی طور پر غیروں کے غلام بنتے اور داخلی طور غیر مستحکم ہوتے چلے جائیں گے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ ہمارے حکمران مسلمان ہوتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر گزارہ نہیں، حالانکہ ہماری معاشی ترقی کا راز سود سے چھٹکارا پانے میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو مسلمانی قوم جو اللہ کے دیئے ہوئے قانون کو نافذ نہ کرے اور اللہ کے بعض احکام کو مستقلاً نظر انداز کرے قرآن کے مطابق ان کی سزا یہ ہے کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ آج ذلت و رسوائی کا عذاب امت مسلمہ پر مسلط ہو چکا ہے اور ہماری آزادی سلب کی جا چکی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی بے حرمتی کی جائے یا پوری قوم کو گالی دی جائے ہم دشمن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ ہمارے حکمران اس کے قدموں میں رینگنے پر مجبور ہیں۔ جس کا اصل سبب جرم ضعیفی ہے۔ دین سے بے وفائی اور غداری کے نتیجے میں آج ہم اللہ کی نصرت و حمایت سے محروم ہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں آج ہر انداز ے ہماری ذلت، اس ذلت سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے اگر ہم قیام پاکستان کے وقت اللہ سے کیے گئے نفاذ اسلام کے وعدے کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی انفرادی زندگیوں میں بھی شریعت کی پابندی کریں۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

سید قاسم محمود

تحریک پان اسلامزم

✿ گزشتہ قسط میں ملائیشیا سے رخصت ہوتے وقت ہم نے عرض کیا تھا کہ اب مصر کی طرف کوچ کرتے ہیں وہاں اُن کی تحریک اخوان المسلمین کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔ لیکن راہ میں فکری پڑاؤ کیا' تو معلوم ہوا کہ ہم غلط سمت میں جا رہے ہیں۔ تحریک اخوان المسلمین ہو یا انیسویں اور بیسویں صدی کی کوئی بھی اسلامی تحریک (برائے تحفظ' تجدید و احیائے اسلام) وہ سید جمال الدین افغانی کی اتحاد اسلامی (پان اسلامیت) کی تحریک کی خوشہ چیں ہے۔

سترھویں صدی میں اندرونی کمزوریوں کے باعث مسلم ممالک میں زوال اور یہاں مغربی سامراج کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ مغربی سامراج نے اُمت مسلمہ پر پوری طرح مسلح ہو کر خداوندِ حاضر پوری وحشت اور درندگی کے ساتھ' اور کہیں مکاری و عیاری کے ساتھ ٹوٹ پڑے تو مسلمانوں کا سویا ہوا احساسِ غیرت ایمانی جاگ اُٹھا۔ تاریخ اِنسانیت میں اہلِ توحید اور علم بردارانِ اقدارِ انسانیت نے ایک عجیب مثال قائم کی۔ یہ ہر ملک اور ہر علاقے میں اپنی اخلاقی اور مادی کمزوریوں کے باوجود فکری و عسکری جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ترکی' مصر' سوڈان' دیگر افریقی ممالک' سسلی' عدن' یمن' حجاز' شام' ہندوستان' ملائیشیا' انڈونیشیا تک مسلمانوں نے حملہ آوروں کے سامنے اپنے خون کے دریا حائل کر دیئے اور لاشوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔

مہدی تحریک' وہابی تحریک' ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی تحریک' سلطان ٹیپو کی عسکری تحریک' فرائضی تحریک' تحریک مجاہدین' تحریک خلافت' ہر ملک مین جمعیت العلماء اور نہضتہ العلماء' ہندوستان کی مجلس احرار اور خاکسار تحریک کی طرح کی' دوسرے مسلم ملکوں میں بھی تحریکوں کا ظہور۔ اِن تحریکوں نے مغربی تہذیب کا غرور توڑ دیا۔ اسلام اور اسلامی تہذیب کو درپیش چیلنجوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ اِن تحریکوں کی قیادت کے لیے قدرت نے ایسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں کہ جن میں سے ہر ایک تاریخ حریت میں مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جمال الدین افغانی' مفتی محمد عبدہ' شیخ حسن البناء شہید' شیخ بدیع الزماں نورسی' علامہ مصطفیٰ سباعی' امام بن بادیس' مہدی سوڈانی' حسن بن اسماعیل' شیخ عمر تلمسانی' سید محمد حامد ابوالنصر' جسٹس عبدالقادر عودہ شہید' سید قطب شہید' سیدہ زینب الغزالی الجبلی' ڈاکٹر حسن عبداللہ ترابی' شیخ عزالدین القسام' سید مفتی امین الحسینی' سر سید احمد خان' علامہ اقبال' سید ابوالاعلیٰ مودودی' ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی' شیخ احمد یاسین' ڈاکٹر نجم الدین اربکان' علی شریعتی' راشد الغنوشی' عالیجاہ علی عزت بیگووچ وغیرہم۔ احیائے اسلام کی تاریخ کے آسمان پر یہ سب ستارے اپنے اپنے ملکوں اور علاقوں میں جگمگاتے ہوئے صاف صاف نظر آتے ہیں' لیکن یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب جمال الدین افغانی کے افتاب تازہ سے روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ کسی بھی ملک کی احیائی' اسلامی تحریک کے تذکرے سے پہلے' چاہیے کہ سید افغانی اور اُن کی تحریک اتحادِ اسلامی کا ذکر ہو۔ تمام حالیہ اسلامی تحریکوں کی ماں سید افغانی کی پان اسلامزم کی تحریک ہے۔

موجودہ قسط میں اتحادِ عالم اِسلامی کے نقیب جمال الدین افغانی کی شخصیت پر اُن کے ایک پرستار' مشہور صحافی اور ادیب قاضی عبدالغفار کا وہ خطبہ پیش کیا جا رہا ہے جو انہوں نے 21' فروری 1932ء کو اُردو اکادمی ہند کے اجلاس میں پڑھا تھا۔ یہ خطبہ ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی کی مرتب کردہ کتاب ''جمال الدین افغانی'' سے اخذ کیا گیا ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

1838 یا 1839ء میں جب شیخ ماں کی گود میں آئے' دنیائے اسلام پر مصائب وابتلا کا شدید طوفان گزر رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ وسط ایشیا میں خیوا' بخارا کی آزادی رُوسی شہنشاہیت کی قربان گاہ پر آخری سانس لے چکی تھی۔ ایران میں انگریزوں اور روسیوں کا مشترکہ اثر قائم ہو چکا تھا۔ مصر میں انگریزوں کا عارضی نظام مالکانہ حکومت کی صورت اختیار کرنے والا تھا۔ مراقش' برطانیہ اور فرانس کے باہمی سمجھوتے کی بنا پر فرانس کے زیر اثر لیا جا چکا تھا۔ سلطنت عثمانیہ میں اسلامی اقتدار کا مریض جاں بہ لب تھا اور اُس کے سرہانے آسٹریا' جرمنی' برطانیہ' ریاست ہائے بلقان اور روس کے دشنہ در آستین اطباء جمع ہو چکے تھے۔ ایک غریب اور دور افتادہ افغانستان نسبتہً آزاد تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ جغرافیائی حیثیت سے وہ متمدن ممالک کے یورپین تمدن سے دور تھا اور روس و انگلستان کی باہمی رقابت اُس کی قومی آزادی کی ضامن تھی۔

اِس عہد ابتلا میں جب ہمیں پست' دل ضعیف' حوصلے کمزور ہو رہے تھے' عالم اسلام میں عام تاریکی کے اندر بھی کہیں کہیں روشنی کی ایک شعاع نظر افروز ہوتی رہتی تھی' جیسے دور کے بادلوں میں بجلی کی ایک جھلک۔ مختلف ممالک میں اللہ کا کوئی نہ کوئی بندہ تباہ حال ملتِ اسلامی کے لیے ایک پیام اُمید لے کر آتا تھا اور عالمِ اسلام کے کسی نہ کسی گوشے میں ایک چھوٹا سا دیا روشن کر جاتا ہے۔ اس زمانے میں جب شیخ نے پہلی دفعہ سورج کی روشنی دیکھی' عالمِ اسلام صدیوں کی گہری نیند کے بعد بیداری کی پہلی کروٹ لے رہا تھا۔ دلوں کے آتش خانے سرد تھے' مگر چنگاریوں سے خالی نہ تھے۔

قسطنطنیہ میں ابوالاحرار مدحت پاشا اور اُن کے محاصرین مصطفیٰ فاضل' رشید پاشا' ضیا پاشا' عالی پاشا' علی سعادی' فواد پاشا' عُمر پاشا۔

ایران میں امیر نظام' مُلا محمد' کاظم خراسانی جیسے قوم پرست' عہد انقلاب کے حریت پسند مجتہد اور اُن کے محاصرین کہ دورِ استبدادِ صغیر' میں انہوں نے قومی تحریک پر جان و مال فدا کر دیا۔ سید عبداللہ' سید محمد طبائی اور ایسے ہی کتنے۔ پھر مصر میں صفِ اول کے احرار مصطفےٰ کامل' علی پاشا' محمود پاشا فلکی۔ تونس میں شیخ محمد بیرم' خیرالدین پاشا' وسط ایشیا و ترکستان میں اسماعیل بے۔ یہ سب ایک ہی منزل کے مسافر اور ایک ہی راہ کے راہرو تھے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی جمال الدین افغانی تھا' مگر شیخ کی زندگی کا امتیاز اِن سب سے الگ تھا۔ اِس تمام فہرست میں شیخ ہی کا ایک نام ایسا ہے جو عمل کی جغرافی حدود سے آزاد رہا اور کبھی کسی ایک ملک کا پابند نہ تھا۔ وہ دیارِ مصر میں تھا۔ وہ ایران میں تھا۔ وہ ہندوستان میں تھا۔ حجاز میں تھا۔ ترکی میں تھا۔ روس میں تھا۔ فرانس میں تھا۔ اور اُس کی ایک آواز تھی جو مراقش سے ترکستان تک اور لندن و پیرس سے سینٹ پیٹرز برگ (ماسکو) تک سنی گئی۔ عہد جدید کے داعیان ملت اسلامی میں بمشکل کوئی نام اِس قدر ہمہ گیر' اس قدر عام اور وسیع مل سکے گا۔ یہ امتیاز شیخ ہی کے لیے محفوظ تھا۔

ولادت' مقام ولادت اور عہد طفلی' یہ سب باتیں اِس موقع پر بیان کرنے کی نہیں۔ جس شخص کا وطن تمام عالمِ اسلامی تھا' اُس کے مقام ولادت کا سوال ہی کیا۔ جس نے مشرق کا دامن مغرب سے باندھ دیا تھا' اُس کے متعلق یہ بحث قدرے دُور از کار ہے کہ وہ اسد آباد میں پیدا ہوا یا اسعد آباد میں۔ وہ افغانی النسل تھا یا ایرانی۔ وہ شیعہ تھا یا سنی۔ اس کا سلسلۂ نسب اُس کو بقول صاحب ''تاریخ بیداریٔ ایرانیاں'' ''بہ خامس آل عبا حسین بن علی بن ابی

طالب میر سائنڈ' یا یہ کہ سید صفدر کے بیٹے کا نسب "صحیح ترمذی" ہی کے مولف تک ختم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بحث کہ شیخ ایرانی تھے یا افغانی' خود ایرانی اور افغانی دوستوں کے درمیان ما بہ النزاع ہے۔ دونوں طرف سے اپنے اپنے دلایل پیش کئے جاتے ہیں اور شیخ کا ہر سوانح نگار اپنے دعوے کی دلیلوں کا دریا بہا دیتا ہے۔ شیخ کی شخصیت کا یہ عجیب وغریب کرشمہ ہے کہ ایران کہتا ہے' وہ ہمارے تھے اور افغانستان کہتا ہے' وہ ہمارے تھے۔

میں ذاتی طور پر یہ یقین رکھتا ہوں کہ جو آفتاب اُنیسویں صدی کے آخر میں تمام عالمِ اسلامی پر چمکا' وہ خاکِ افغانستان سے بلند ہوا تھا اور وہ دولتِ خداداد ہی کا ایک انمول الماس تھا۔ وہ چشمۂ حیات جو ہندوستان ومصر و ایران' ترکی وروس' فرانس وانگلستان' خیوا اور بخارا تک بہتا چلا گیا' افغانستان ہی کی پہاڑیوں سے اُبلا تھا۔ شیخ کے ابتدائی زندگی کے حالات کو کسی دوسرے موقع کے لیے چھوڑ کر میں اُن کی عملی زندگی کے آغازِ کار سے اِس داستان کو شروع کرتا ہوں:

شباب کا ابتدائی زمانہ (18 سال کی عمر تک بقول براؤن) اُس ملک میں گزرا جہاں سیاسی دنیا صبح کو کچھ اور شام کو کچھ ہوتی تھی۔ افغانستان میں سیاسی انقلاب کی آندھیاں چل رہی تھیں اور تختِ حکومت سے ایک دعوے دار اتارا جاتا تھا تو اُس پر دوسرا اٹھایا جاتا تھا۔ اپنی جوانی کے آغاز میں شیخ نے سیاست کا پہلا تجربہ خود اپنے وطن میں حاصل کیا' لیکن وہ ابھی تک ناظر تھے' عامل نہ تھے۔ وہ وقت ابھی نہیں آیا تھا کہ شیخ کی طبیعت کا جوہرِ اعلیٰ بروئے کار آتا۔ یہ فخر اِس اجڑے دیار' اِس غلاموں کے ملک کا مقسوم رہا' جس کو ہندوستان کہتے ہیں۔ سب سے پہلے شیخ کا جذبۂ عمل افغانستان ہی کے سیاسی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد متحرک ہوا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ کی سیاسی تربیت میں اُن حالات کو بہت کچھ دخل تھا جو انہوں نے اپنے پہلے سفرِ ہندوستان میں اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے کانوں سے سنے۔ ہندوستان کا یہ پہلا مطالعہ گویا محض سرراہ تھا' اس لیے کہ شیخ گھر سے بیت اللہ کا عزم لے کر نکلے تھے' لیکن علوم جدیدہ کی تکمیل کے خیال سے تقریباً ایک سال اور کچھ ماہ ہندوستان میں فقیرانہ اور مسافرانہ مقیم رہے۔ خراب آباد ہندوستان کے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ اِس داعیٔ اعظم کا پہلا قدم گھر سے نکل کر اُس سرزمین پر رکھا گیا' جس کی عظمتِ دیرینہ کچھ ہی عرصہ پہلے تمام تر تباہ ہو چکی تھی اور جس کے فرزند تختِ حکومت سے محروم ہو کر غلامی کی زندگی بسر کرنا سیکھ رہے تھے۔ لال قلعہ میں دودمانِ تیموری کا ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ باقی رہ گیا تھا۔ شیخ نے 1856ء کا وہ زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا' جب 1857ء کا کوہ آتش فشاں' آتش فشانی کے لیے تیار ہو رہا تھا' لیکن اُس وقت نہ شیخ کسی کو جانتے تھے نہ شیخ کو کوئی جانتا تھا۔ وہ مسجدوں کے حجروں میں اور مدرسوں کے بوریے پر درسِ عبرت لے رہے تھے۔ کیا تعجب ہے کہ اسی پہلے سفر میں انہوں نے ایک محکوم قوم کے زخموں کو دیکھ لیا ہو اور اسی تاثر نے اُن کی آئندہ زندگی کی جدوجہد کا راستہ اُن کو بتایا ہو۔

1857ء میں جب ہندوستان ایک خوفناک انقلاب کی کشمکش میں مبتلا تھا' شیخ افغانی بیت الحرام میں ملتِ اسلامی کے مستقبل کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ وہ ایک سال کے قریب حجاز میں مقیم رہے' لیکن اُن کی زندگی کا یہ ایک سال تاریخ کے صفحات سے بہت دور ہے اور کسی کو معلوم نہیں کہ گہوارۂ اسلام میں انہوں نے کس طرح کسبِ سعادت کیا' مگر جب وہ حجاز سے واپس ہو کر پھر افغانستان آئے تو خود اپنے وطن کو شدید ترین خانہ جنگی میں مبتلا پایا۔

امیر دوست محمد خان اُس وقت تختِ افغانستان پر قابض تھے۔ انہوں نے شیخ کو اپنے دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا اور اس طرح اسلامی سیاسیات اور بادشاہوں اور سلاطین کے درباروں سے مدوجزر سے شیخ کی شناسائی شروع ہوئی۔ افغانستان کے تاریخ کا یہ وہ زمانہ تھا جب خانہ جنگیوں کا غیر محدود سلسلہ افغانی سلطنت کی آزادی و عظمت کو تباہ کر چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی تھی اور بدنظمی۔ چھوٹے چھوٹے سردار اور خوانین چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قابض تھے اور قومی شیرازہ یکسر بکھرا ہوا تھا۔ کابل حکومت کا مرکز تھا مگر برائے نام۔ ہرات کے تمام علاقے پر امیر کے چچازاد بھائی مسلط تھے اور کابل کی مرکزی حکومت اپنے تحفظ کے لیے ہرات کی جداگانہ ریاست کو مٹا دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ جب امیر دوست محمد خان فتح ہرات کا تہیہ کر کے اپنے داماد اور چچازاد بھائی سلطان احمد پر حملہ کرنے کابل سے نکلے تو شیخ بھی اُن کے ہمراہ تھے' لیکن امیر کی عمر نے وفا نہ کی اور 1864ء میں انتقال ہو گیا۔

اب مسندِ شاہی پر امیر شیر علی نے جلوس کیا اور غالباً اُسی سال ہرات بھی فتح ہو گیا مگر امیر شیر علی کے دل میں ابھی اپنے بھائیوں کے قلع قمع کرنے کی ہوس باقی تھی۔ اس ارادے کی تکمیل میں امیر شیر علی کے وزیر محمد رفیق خان کو بہت بڑا دخل تھا۔ وہ بار بار امیر کو اس کام پر آمادہ کرتا تھا' اور شیخ افغانی دربار میں بیٹھے ہوئے اِن تیاریوں کو دیکھ رہے تھے' لیکن امیر دوست محمد خان کے بعد اُن کی آواز بے اثر ہو چکی تھی۔ بعض وقائع نگاروں کا بیان یہ ہے کہ شیخ افغانی امیر دوست محمد خان کے بعد امیر شیر علی کے دربار میں موجود تھے' اور یہی واقعہ قرین قیاس بھی ہے' اس لیے کہ سب سے پہلے خود شیخ ہی نے محمد اعظم کو امیر شیر علی کے ارادوں سے مطلع کیا تھا۔ اگر وہ اس وقت دربار میں موجود نہ ہوتے تو شیر علی کے ارادوں سے اُن کا واقف ہونا بہت مشکل تھا۔ محمد اعظم' محمد اسلم' محمد امین' شیر علی کے تینوں بھائی اس سازش سے بے خبر تھے' اور جب شیخ نے اُن کو اِس منصوبے سے آگاہ کیا' وہ فوراً اپنے اپنے علاقوں کو بھاگ گئے' جہاں وہ سمجھتے تھے کہ شیر علی کا ہاتھ بہ آسانی اُن تک نہ پہنچ سکے گا۔

شیر علی اور اُس کے بھائیوں کی خانہ جنگی کی تفصیلات اُس زمانے کا مورخ بیان نہیں کرتا۔ خود امیر عبدالرحمٰن خان نے اپنی سوانح عمری میں بہت اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے' لیکن اغلب یہ ہے کہ اس خانہ جنگی کے شروع ہوتے ہی شیخ افغانی محمد اعظم کے پاس چلے گئے اور آخر تک انہی کے پاس رہے۔ چنانچہ کچھ تو بہ تقاضائے احسان مندی کہ شیخ نے شیر علی کے منصوبوں کی ہر وقت اطلاع محمد اعظم کو دی تھی' اور کچھ شیخ کی خداداد ذکاوت و ذہانت سے متاثر ہو کر محمد اعظم نے شیخ کو اپنا مشیر خاص اور معتمد بنا لیا۔ چنانچہ جب محمد اعظم خان اور اُن کے بھتیجے عبدالرحمٰن نے دارالسلطنت پر قبضہ حاصل کیا اور عبدالرحمٰن کے والد محمد افضل خان کو غزنی کے محبس سے آزاد کر کے تختِ حکومت پر بٹھایا تو دربار شاہی میں شیخ کا اثر بہت زیادہ ہو گیا۔ محمد اعظم خان کو شیخ پر اِس قدر اعتبار تھا کہ کوئی اہم کام اُن کے مشورے کے بغیر انجام نہ پاتا تھا۔ پھر جب افضل خان کے انتقال کے بعد اُن کے جانشین محمد اعظم قرار پائے' تو جیسا کہ ہونا چاہیے تھا' شیخ کو امیر نے اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ یہ شیخ کی جوانی کا زمانہ تھا' جب وہ سلطنت کے دروبست پر حاوی تھے۔ اُن کے لیے یہ منصب بجائے خود علوم سیاست وتدبیر کا ایک مدرسہ تھا' جہاں اُس داعیٔ حق نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے سرمایۂ علم وفضیلت وفکر ونظر حاصل کیا۔ جب اعظم خان کو شیر علی سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا تو شیخ بدستور کابل میں مقیم رہے' مگر وہ تین ماہ سے زیادہ وہاں ٹھہر نہ سکے۔ یہ زمانہ اُن کے لیے بہت نازک تھا۔ وہ محمد اعظم کے معتمد سمجھے جاتے تھے اور اس لیے شیر علی کی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اُن سے انتقام لے' مگر ایسا کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ سادات کا اثر کابل میں بہت زیادہ تھا' اور وہ ڈرتا تھا کہ شیخ کو نقصان پہنچا کر سادات کے جذبات کو مجروح نہ کر دے۔ بالآخر شیخ نے خود ہی سفرِ حج کی اجازت طلب کی' اور شیر علی نے اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ وہ ایران کے راستے حجاز کی طرف نہ جائیں' اس لیے کہ محمد اعظم ہنوز ایران میں موجود تھے' اور شیر علی نہ چاہتا تھا کہ شیخ اُن سے ملیں۔

یہ حالات تھے' جب 1869ء میں شیخ دوبارہ ہندوستان وارد ہوئے

(جاری ہے)

محترم عبدالکریم عابد مرحوم و مغفور کا ایک نایاب مضمون جو انہوں نے خاص ''ندائے خلافت'' کے لیے تحریر کیا تھا اور جو بعض ناگزیر وجوہ سے اُن کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا تھا' اب اُن کے لیے دُعائے مغفرت کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے۔ (مدیر)

دفاع پاکستان کے تقاضے

عبدالکریم عابد

پاکستان کا دفاع صرف پاکستان کی فوج نہیں کر سکتی تاوقتیکہ پوری قوم اپنے دفاع کے لیے تیار نہ ہو۔ دفاع کا تعلق ہر شہری' شہریوں کے ہر طبقہ اور اُن کے مجموعی طرزِ فکر سے ہے۔ اگر کسی قوم میں ایسے فلسفے اور نظریات پروان چڑھتے ہیں جو قوم میں علاقائی' لسانی' فرقہ وارانہ تفرقے پیدا کرتے ہیں اور قوم کو پھاڑتے تقسیم کرتے ہیں تو ایسی قوم کا دفاع کوئی فوج نہیں کر سکتی۔ اور یہ کام سیاست دانوں' عالموں' دانشوروں' صحافیوں اور اساتذہ کا ہے کہ ایک ایسا قومی ذہن بنائیں جو اتحاد پرور ہو اور افتراق انگیز نہ ہو۔ اگر سیاست دان اپنی سیاست چمکانے کے لیے تعصبات کو اُبھاریں' علمائے دین اُخوت و اتحاد کی بجائے تفرقہ انگیزی کریں' صحافی زرد صحافت کے ذریعے قوم کے یقین اور اعتماد کو متزلزل کر دیں' دانشور عالمی حقائق اور پس منظر سے آگہی فراہم کرنے کی بجائے مصنوعی جوش پیدا کرنے یا افسردگی طاری کرنے والی تقریروں اور تحریروں کو اپنا شعار بنا لیں' تو ایسی قوم پہلے ہی سے شکست خوردگی کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور یہ کیفیت معاشرہ میں سرایت کر جائے تو بہادر سے بہادر فوج بھی اس ہاری ہوئی قوم کو جیت کا کوئی تحفہ نہیں دے سکتی۔ اس لحاظ سے یہ خیال کرنا کہ ملکی دفاع الگ سے کوئی چیز ہے اور صرف فوجیوں سے متعلق ہے' بالکل غلط ہے' یہ تو ہمارا کلی وجود ہے جو دفاع کو طاقتور یا کمزور بناتا ہے۔ اگر اس وجود کے تانے بانے بکھرے ہوئے ہیں یا کمزور ہیں تو مضبوط دفاع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بجا طور پر ایک فوجی جوان سے لے کر فوجی جنرل تک ہر ایک میں یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ شہریوں اور اُن کے مختلف طبقات کی سوچ مثبت اور تعمیری ہو تا کہ وہ محسوس کریں کہ ان کا عقب مضبوط ہے اور پشت سے کوئی خنجر نہیں گھونپا جا سکے گا۔ لیکن فوج میں اس خیال یا اس پر تشویش کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ جو فرائض شہریوں یا اُن کے مختلف طبقات کو ادا کرنے ہیں۔ وہ فوج اپنے ذمے لے لے اور باقی سب کو نابالغ یا ناقص العقل یا بدعنوان قرار دے کر اُن کی ذمہ داریاں اپنے سر اٹھا لے۔ یہ طریقہ تجربے نے غلط ثابت کر دیا ہے اور واضح ہو گیا ہے کہ جو کام شہری اور سول شعبے میں ہونا چاہئے وہ اُسی کو کرنا چاہئے اور اس کے حصے کا کام فوج نہیں کر سکتی۔ دفاع ایک ایسی چیز ہے جس کا انحصار معیشت پر ہے' سیاست پر ہے' تعلیم و ثقافت پر ہے۔ وہ ان سب شعبوں سے طاقت' جذبہ اور وسائل حاصل کرتی ہے۔ اگر یہ شعبے اُسے کمزوری اور پریشانی دینے لگیں۔ تو یقیناً فوج اندرونی مشکلات میں پھنس جائے گی اور بیرونی محاذ پر وہ تن کر نہیں کھڑی ہو سکے گی' لیکن یہ سب شعبے معیاری اور ذمہ دارانہ انداز میں کام اُسی وقت کر سکتے ہیں جب وہ فکر و تدبر کے ساتھ اپنی منصوبہ بندی اور سعی و جہد سے اپنی خصوصیات کو ارتقا دینے کے لیے آزاد ہوں۔

اگر کوئی جابر طاقت خواہ وہ کسی لبادے میں ہو' اُن کی آزادیوں کو سلب کر لیتی ہے اور اُنہیں پست درجہ کی غلامانہ و محکومانہ زندگی گزارنے کی عادی بنا دیتی ہے تو اس طرح کے شہری اور اس طرح کے سول شعبہ جات ذمہ دار دفاع کے لیے ایک ایسا بوجھ ہوں گے جو انہیں بھی لے ڈوبیں گے۔

اس لیے دفاعِ وطن میں شہریوں یا سول شعبے کے کسی کردار کے لیے پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ آزاد ہوں اور ایک راستے کا دل اور دماغ کی سچائی اور گہرائی و گیرائی کے ذریعے تصفیہ کریں اور اس پر گامزن ہوں۔ یہ راہ ہماری قومی راہ ہو اور اجتماعی لائحہ عمل ہو جس پر معاشرہ کے ہر طبقہ کو اتفاق اور شرح صدر حاصل ہو کہ یہی راستہ صحیح راستہ ہے۔ اور اختلافات خواہ کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں لیکن اُن کی وجہ سے قومی راہ کو چھوڑ کر بدراہ ہو جانا صحیح نہیں ہو گا۔ اس طرح کے معاشرہ کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ جبر کی حکمرانی نہ ہو' وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ تدبر کی فراوانی ہو اور صدق و اخلاص کی بالادستی ہو۔ اگر سیاستدانوں میں' دانشوروں میں' مذہبی رہنماؤں میں' صحافیوں میں یہ تدبر اور اخلاص نہیں ہے تو وہ اپنے شہریوں کو بے شعور رکھیں گے یا اُن میں اس طرح کی بدعقلی اور ہیجانی و ہذیانی کیفیت عام کریں گے اور اس کے نتیجے میں اپنی تمام تر پیشہ ورانہ صلاحیت کے باوجود فوج بھی پریشان نظری کا شکار ہو جائے گی' کبھی خارجی امداد کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں کو دیکھے گی' کبھی داخلی صورتِ حال پر اضطراب کا اظہار کرے گی' کبھی معیشت کی زبوں حالی سے متاثر ہو گی اور کبھی قومی مورال کے بارے میں مبتلائے تشویش ہو جائے گی۔ اور جب ساری چیزیں غلط رُخ پر جا رہی ہوں تو اِس سے فوج بھی غلط در غلط راستے پر چل پڑتی ہے۔ اس کا تجربہ ہمیں مشرقی پاکستان میں ہو گیا ہے۔ فوج نے تو نہایت ہی غیر جانبداری کے ساتھ' پاکستان کی تاریخ کے پہلے منصفانہ غیر جانبدارانہ اور جمہوری معیار کے انتخابات کرانے کا اعزاز حاصل کیا لیکن جلد ہی سیاستدانوں کی غلط سیاست اور شہریوں کی غلط سوچ فوج پر بھی حاوی ہو گئی اور وہ ایسے راستے پر چل پڑی جس کا انجام اچھا نہیں تھا اگر پورا معاشرہ ہی ایک غلط اور منفی سوچ کو اپنا لیتا ہے تو صرف فوج کے خانہ میں صحت مند سوچ کیسے برقرار رہ سکتی ہے اور اگر فوج کی کھوپڑی اُلٹی ہو گئی ہے تو شہری اور سول شعبے ذمہ دار' باوقار اور نتیجہ خیز کردار کس طرح پیدا کر سکتے ہیں! اس لحاظ سے اِس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ فوجی اور شہری شعبے کو دو الگ دنیاؤں کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک کُل کے اجزاء ہیں اور کُل میں مطابقت کا ہونا ضروری ہے تا کہ یہ قائم رہ سکے' ترقی کر سکے اور خاص طور پر موجودہ حالات میں جب کہ ہمارے پاس عسکری' تحقیقی' علمی' اخباری شعبے اپنے ہیں' یہ برسہا برس کے غلط نظام کی کمزوریاں اور معذوریاں رکھتے ہیں تو بہت ضروری ہے کہ اس مطابقت کے لیے کوئی ٹھوس طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دشمنوں کی اُمید اور منصوبہ بندی یہ ہے کہ اس گھر کو گھر ہی کے چراغوں سے آگ لگائی جائے گی اور ہم ایسی جنگِ اقتدار برپا کر دیں گے جس میں فوجی اور سیاسی شعبے ایک دوسرے سے متصادم ہوں اور اِن کے درمیان آپس میں بھی پھوٹ ڈال دی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ فوج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس میں کوئی تفرقہ نہیں۔ وہ ایک ذہن اور جسم کے طور پر کام کر رہی ہے لیکن عسکریت اور سیاست کے تقاضوں کو ابھی تک ہم آہنگ نہیں کیا جا سکا ہے۔ اور جب تک شہری امور اور انداز فوج کے لیے اور فوجی تنظیم شہریوں اور سول حکومت و سیاست کے لیے باعثِ اطمینان نہ ہو' اُن کے افتراق اور بُرے نتائج کا خطرہ موجود رہے گا۔ اس لیے ہماری پہلی ضرورت یہ مطابقت پیدا کرنے اور اس اعتبار سے ایک ہم آہنگ ذہن کو فروغ دینے اور ایک قومی سوچ کو عام کرنے کی ہے جو سب کے نزدیک مسلّمہ اور غیر متنازعہ ہو۔ اس کام کے لیے اگر فوجی اور سول شعبے خصوصی ادارے قائم کریں اور متحرک ہو جائیں تو یہ بے سود نہیں رہے گا۔

پچھلے دو سال میں ہمارے دانشوروں نے فوج' سیاست پاکستان اور عوام کے باہمی تعلق کے موضوع پر کافی کچھ سوچا اور لکھا ہے۔ ایک بات پر اب سب کا اتفاق ہے کہ فوج اور عوام کا رشتہ آقا یا غلام کا نہیں ہے کہ جن کے درمیان یا اندھی وفاداری ہوتی ہے یا بغاوت اور حقارت کے جذبات کی انتہا ہوتی ہے جو موقع ملنے پر پھوٹ پڑتی ہے۔ یہ سب کی مشترکہ رائے ہے کہ اس ملک میں اس وقت ضروری ادارے یا تو ابھی وجود میں نہیں آئے ہیں یا عالمِ طفولیت میں ہیں اور انگوٹھا چوس رہے ہیں' البتہ فوجی تنظیم نہ صرف اپنی اسلحہ کی طاقت بلکہ اپنے ذرائع معلومات کے اعتبار سے بھی برتر حیثیت رکھتی ہے اور اس کا وہ ڈسپلن بھی آج تک قائم ہے جو ملک کو انارکی سے بچا سکتا ہے۔ اور خلا میں کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت اس فوج کی موجودگی میں ہمارے وجود کو آسانی سے درہم برہم نہیں کر سکتی۔ اس لیے فوج کی قدر و قیمت کا احساس کیا جانا چاہیے اور اس کے خلاف زبانِ طعن کا دراز ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہو گی۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ فوج نے اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ وہ آقا بن کر اور پرانے سامراجی دور کے انداز کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور اسے سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کی ضرورت ہے' کیونکہ یہی وہ لوگ اور وہ پلیٹ فارم ہیں جو شہریوں کو دفاعِ وطن کے تقاضوں کے مطابق مجتمع کر سکتے ہیں اور ان میں ایک رائے اور شعور بیدار کر سکتے ہیں۔ پھر یہ بھی اب تمام بڑے بڑے اور جغادار دانشور ماننے لگے ہیں کہ فوج ہماری قومی فوج ہے۔ قومی مفاد اور خواہشات کو پیش نظر رکھ کر سوچتی ہے۔ اور اس کا تعلق کسی بیرونی سرزمین سے نہیں اپنے ملک کے عوام کی اُمنگوں کے ساتھ ہے۔ جو سٹیٹس کو اب تک رہا ہے۔ اُسے ختم کر کے انقلابی سمت میں انقلابی رفتار سے پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ وہ کام ہے جو تنہا سیاستدان نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں قومی سطح پر ایک نئی رہنمائی درکار ہو گی جو بیرونی محاذ کی مختلف یلغاروں اور اندرونی محاذ کی انقلابی تبدیلیوں کے لیے ایک وسیلہ ہو اور اس وسیلہ کو پکڑ کر اہلِ سیاست پہلے اپنے ارذل اسفل وجود کو فنا کر دیں اور پھر اعلیٰ ملکوتی اقتدار کو ملک میں بالادست کر سکیں۔ اس لیے دفاعِ وطن کو خالص فوجی معاملہ سمجھنا غلط ہے۔ یہ فوجی بھی ہے سیاسی بھی ہے اور تمام شہری مل کر ملک کو ناقابلِ تسخیر بنانے کے لیے مختلف اور الگ الگ محاذوں پر کام کر سکتے ہیں لیکن الگ الگ کام کرنے کے باوجود وہ ایک مرکزی فکر و عمل کے رشتے میں بندھے ہوئے بھی ہونے چاہئیں۔ اور یہی ہماری دفاعی حکمت عملی کا ہدف ہونا چاہیے کہ فوج اور شہریوں کی فکر میں مطابقت اور موافقت کو پروان چڑھائیں اور دونوں ایک دوسرے کو صحت اور طاقت فراہم کریں اور باہمی کمزوریوں کا ازالہ کریں۔

دین و دانش

قرآن کی آسان تشریح کریں!

حافظ ثناء اللہ

شاید ہی کوئی ایسا بدقسمت ہو گا' جو ڈاکٹر اسرار احمد کو نہ جانتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کی رگ رگ میں قرآن کی محبت بھری ہے۔ جس محبت سے وہ قرآن پڑھتے ہیں' پھر ترجمہ کرتے اور پھر تشریح کرتے ہیں۔ وہ محبت ان کی موٹی موٹی خمار بھری چمکیلی آنکھوں میں جھلکتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ قرآن ان کی زندگی ہے اور زندگی ان کی قرآن ہے۔ لوگ لاہور سے آتے ہیں۔ باڑہ مارکیٹ میں گھومتے ہیں۔ فارن مال کی خریداری کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب بھی لاہور سے پشاور آتے ہیں' مگر وہ باڑہ مارکیٹ نہیں' اللہ والوں کی مارکیٹ میں نظر آتے ہیں۔ وہ قرآن سے محبت کرنے والوں کے دلوں کی خریداری کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ باڑہ مارکیٹ میں تو پولیس اور کسٹم والوں کا خطرہ ہے' لیکن جس مارکیٹ میں ڈاکٹر اسرار صاحب پائے جاتے ہیں' وہاں نہ چیکنگ ہے' نہ پولیس کے چھاپے اور نہ کسٹم والوں کا خوف۔ اسی لیے تو ڈاکٹر صاحب بلاخوف و خطر پشاور آتے جاتے رہتے ہیں۔ لوگ بھی ان کی خوب پذیرائی کرتے ہیں۔ دراصل یہ پذیرائی تو قرآن کی پذیرائی ہے۔ درسِ قرآن میں تو ان کی باتیں قرآن والی ہوتی ہیں۔ قرآن سے ہٹ کر بھی ان کی باتیں قرآن والی ہوتی ہیں۔ پھر ان کی پیشگوئیاں تو آج کل کس قدر دلچسپ بن گئی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب پچھلے دنوں پشاور تشریف لائے۔ حسبِ معمول قرآن کی محفل جمائی۔ فارغ ہوئے تو پریس کانفرنس کر ڈالی۔ جماعت اسلامی' جمعیت العلمائے اسلام اور دیوبند سے لے کر امریکہ' عراق' افغانستان' اسلام اور انقلاب تک بول بیٹھے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیالات کو سارے لوگ جانتے ہیں' مگر بعض مانتے نہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب جانیں اور وہ جانیں۔ ہم حافظوں کا کام تو صرف تراویح میں قرآن سنانا ہے' باقی نمازوں کے لیے مُلا جانے اور اس کے مقتدی!!

مجھے ڈاکٹر صاحب کے اس اعلان نے چونکا دیا' جب انہوں نے کہا کہ وہ اس شخص پر مقدمہ دائر کریں گے' جس نے قرآن کے حوالے سے ان کی تقریر کے بعد ان پر تہمت لگائی ہے۔ اس شخص کی تہمت کو بھی میں نے پڑھا اور ڈاکٹر صاحب کی وضاحت بھی۔ میں نے تہمت والے شخص کو بھی کوسا اور بڑے ادب اور معذرت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے بھی گلہ کیا کہ آخر کیوں انہوں نے بھری بزم میں وہ بات کہہ ڈالی' جس سے بس موقع کے انتظار میں بیٹھے قرآن دشمنوں کو منہ کھولنا پڑا۔

تہمت لگانے والے نے جان بوجھ کر کیا یا انجانے میں' یہ اللہ ہی جانے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے بھی جوشِ خطابت میں آ کر اچھا نہیں کیا جو بات خواص (علماء کے حلقہ) میں کرنے والی تھی' وہ انہوں نے عام لوگوں میں کر دی۔ ڈاکٹر صاحب سے بہتر کون جانتا ہے کہ دین کی کچھ باتیں علماء تک محدود ہوتی ہیں' وہ اگر عام لوگوں کے سامنے کر دی جائیں' تو ان کے کم علمی والے ذہن شکوک و شبہات اور انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری طرف ہر وقت تاک میں رہنے والے قرآن دشمنوں کو ڈاکٹر اسرار جیسے قرآن کے مبلغوں کی کردار کشی کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے۔

خود ڈاکٹر اسرار نے بھی پریس کانفرنس میں یہ کہہ کر میرے مؤقف کی تائید کی ہے کہ وہ آئندہ قرآن سے متعلق ایسی باتوں کے بارے میں محتاط انداز اختیار کریں گے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس شخص پر کوئی مقدمہ کرنے کا سوچیں بھی نہیں۔ جس کا اور جس کے لیے وہ کام کر رہا ہے' مقصد قرآن اور قرآن کے مبلغین کو متنازعہ بنانا ہے اور ان کی کردار کشی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نازل فرمایا ہے اور خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب ''دریا برد مرد'' والی باتیں نہ کریں اور اسی طرح قرآن پڑھاتے رہیں' جس طرح قرآن کو آسان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح آسان آسان تشریح کریں۔ یہ وہ کتاب ہے جس پر کوئی شک ہی نہیں۔ یہی تو ہمیں پہلے دن پہلا ہی سبق مولوی صاحب نے بچپن میں سکھایا تھا۔

(بشکریہ روزنامہ ''خبریں'')

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

عظیم اسلامی شخصیات کے حالات کے بارے میں یہ علمی سلسلۂ استفسار عام طور پر پسند کیا گیا ہے۔ اور قارئین ہمارے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ ایک محترم نے تجویز کیا ہے کہ اِس سلسلے کا عنوان ''یہ کون ہیں؟'' ہونا چاہیے' کیونکہ بزرگوں کے لیے صیغۂ جمع استعمال کرنا چاہیے۔ ہمیں اس تجویز سے اتفاق ہے۔

یہ کون ہیں؟

اُس نے دربار جانا چھوڑ دیا تو بیوی بچوں کو بڑی فکر ہوئی۔ مشہور مثل ہے کہ پانی میں رہ کر' مگر مچھ سے دشمنی نہیں رکھی جاسکتی۔ مصاحب اور درباری بادشاہ سے بگاڑ پیدا کر کے سکون سے نہیں رہ سکتے۔ اسی لیے بیوی بچوں کی پریشانی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ تین دن گزر گئے تو بیوی کی فرمائش پر اُس نے پھر دربار کا رُخ کیا۔ بیوی نے کہا: ''اللہ کا شکر ہے' تم تین دن ہی میں سنبھل گئے' ورنہ جینا دوبھر ہو جاتا''۔

شوہر نے کہا: ''نیک بخت' کیا کروں' مجبور ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا یہی حکم ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے بات کرنا نہ چھوڑو۔ میں تین دن سے زیادہ تعلقات توڑ کر نہیں بیٹھ سکتا''۔

یہ صاحب تھے تو درباری' اور بگڑ بیٹھے تھے اپنے بادشاہ سے۔ درباریوں اور خوشامدیوں میں یہ ططنطنہ کہاں ہوتا ہے۔ وہ تو حکمرانوں کا جھوٹا نوالہ کھانے والے بے حیا اور موقع پرست ہوتے ہیں۔ ان میں خود داری ہو تو وہ درباری نہ ہوں' لیکن کہیں کہیں یہ بات بالکل جُدا بھی ہو جاتی ہے۔ یہ جس بادشاہ کے دربار کا ذکر ہے' وہ بادشاہ اللہ سے ڈرنے والا تھا' اور اُس کے مصاحب بھی اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ جہاں دوستی بھی اللہ کے لیے ہو اور دشمنی بھی اللہ کے لیے ہو' تو وہاں کا ماحول بڑا پاکیزہ ہوتا ہے۔

یہ درباری جو اپنے بادشاہ سلامت سے ناراض تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن دربار میں بادشاہ نے اُسے بلانا چاہا' تو اُس کا نام لینے کی بجائے' ایک فرضی نام سے پکارا' تاج الدین' تاج الدین!۔ اُس نے پلٹ کر بادشاہ کی طرف دیکھا' یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اِس اجنبی نام کا درباری کون ہے' لیکن بادشاہ کا اشارہ اُسی کی طرف تھا۔ وہ تعمیلِ حکم میں فوراً بادشاہ کے قریب پہنچ گیا۔ حکم بجالا کر وہ گھر لوٹا تو تین دن تک دربار جانے کے لیے اُس کا دل نہ چاہا۔ اُسے شدت سے اپنی رسوائی اور توہین کا احساس ہوا۔ آدمی خوددار اور وضع دار ہو تو بڑے رکھ رکھاؤ کا ہوتا ہے' خود بھی دوسروں کا بڑا خیال رکھتا ہے۔

ہندوستان پر جتنے مسلمان سلاطین اور حکمران گزرے ہیں' اُن میں سے ایک دو ہی اُس بادشاہ جیسے پاک باطن تھے۔ یہ مہمات اور فتوحات کی انجام دہی میں بھی طاق تھا اور اللہ کی طاعت و بندگی کا بھی پورا تھا۔ کیوں نہ ہوتا' یہ ایک پانچ وقتہ نمازی اور تہجد گزار حکمران کا فرزند تھا۔ یہ بادشاہ' جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے' قرآن مجید کی کتابت کر کے گزر اوقات کرتا تھا' اور پورا ہندوستان اُس کا مفتوحہ و مقبوضہ ہونے کے باوجود سرکاری خزانے سے ایک پائی بھی اپنے اوپر خرچ نہ کرتا تھا۔ یہ سال چھ مہینے کی بات نہیں' مسلسل بائیس برس کا قصہ ہے۔ ملکہ خود کھانا پکاتی' سیتی پروتی' جھاڑو دیتی' برتن مانجھتی' تمام امور خانہ داری انجام دیتی۔ ایک مرتبہ چولھے پر روٹی پکاتے پکاتے اُس کا ہاتھ جل گیا۔ نہ جانے کب کی بھری بیٹھی تھی۔ شوہر سے کہا: ''خزانہ بھرا ہوا ہے۔ میرے لیے ایک کنیز خرید لیجیے۔ آخر میں بھی آرام کی مستحق ہوں''۔

بادشاہ نے جواب دیا: ''دل میں ایسا خیال بھی نہ لانا۔ میں تو سلطنت کا خادم اور خزانے کا نگہبان ہوں۔ شاہی خزانے کا ایک روپیہ بھی اپنے آرام و آسائش پر خرچ نہیں کرسکتا۔ یہ مانتا ہوں کہ تمہیں بہت تکلیف ہے' لیکن کر کیا سکتا ہوں۔ صبر کرو' اللہ تعالیٰ آخرت میں اِس کا پھل ضرور عطا فرمائے گا''۔

خوفِ خدا رکھنے والے ایسے بادشاہ کا درباری جب تین دن تک غیر حاضر رہا تو خود بادشاہ کو بھی فکر لاحق ہوئی۔ جس دن مصاحب آیا تو پوچھا: ''کیا بات ہے۔ اتنے دن کیوں حاضر نہ ہو سکے''۔ درباری نے جواب دیا: ''شاہا! اُس دن آپ نے مجھے تاج الدین کہہ کر پکارا تو مجھے خیال ہوا کہ آپ مجھ سے خفا ہیں' اور اِس قدر کہ ناراضگی کے سبب مجھے میرے نام سے بھی نہیں بلانا چاہتے۔ پچھلے تین دن سخت پریشانی میں گزرے ہیں۔ پھر بھی آپ کی ناراضگی کا سبب معلوم نہ ہو سکا''۔

بادشاہ نے کہا: ''واللہ! میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ دراصل میں اُس وقت باوضو نہ تھا' اس لیے مناسب معلوم نہ ہوا کہ تمہارا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں''۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اُس درباری کا نام تھا' محمد۔

کیا آپ جانتے ہیں' یہ دین دار' درویش صفت بادشاہ کون ہیں؟

آپ ایک خط لکھ کر ہمیں بھی اُن کا نام بتایئے۔

قارئین کی آراء

☆ جی ہاں' ہم دوسری سطر پڑھتے ہی پہچان گئے ہیں' موصوف محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ کنیت ابوعبداللہ اور لقب ناصر السنۃ تھا۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن شیبانی سے فقہ کا علم حاصل کیا۔...... یہ سلسلہ ہمیں بہت پسند آیا ہے۔ امید ہے' آئندہ نام چھاپنے کے ساتھ ساتھ علمی و دینی کتب بطور انعام دینے کے متعلق بھی آپ سوچیں گے۔

(مسز جاوید اختر' وہاڑی)

☆ یہ نیا سلسلہ بہت ہی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ تاریخ اسلام کے مشاہیر کا تعارف کرانے کے لیے یہ انداز بہت منفرد و مفید ہے۔ اس سلسلے سے غور و فکر اور کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا ذوق پیدا ہوگا۔ البتہ ناچیز کو اس سلسلۂ مضامین کے عنوان سے ایک قسم کی بے ادبی محسوس ہوتی ہے' کیونکہ جن مشاہیر اور عظماء رجال کی یاد دلانا مقصود ہے' وہ حد درجہ قابلِ احترام ہیں۔ اِس لیے میرے خیال میں اِس سلسلۂ مضامین کا عنوان ''یہ کون ہیں؟'' مناسب ہوگا۔

(شیخ رحیم الدین' لاہور)

☆ ذہنی آزمائش یا سوال و جواب یا کسوٹی کے ذریعے عظیم اسلامی شخصیت کا تعارف کرانا' ایک اچھا سلسلہ ہے' اسے اور زیادہ اچھا بنایا جا سکتا ہے۔ قارئین کے ذوقِ تجسس و تحقیق کو مزید آنچ دکھانی چاہیے۔

(رضوان علی' لاہور)

شخصیت 1 ---- شیخ حسن البناء شہید

صحیح جواب دینے والے:

☆ حافظ محبوب احمد خان' لاہور

☆ گل فشاں ملک' کراچی

☆ محمد عارف' لاہور

☆ سید کامران واسطی' لاہور

شخصیت 2 ---- امام شافعی

صحیح جوب دینے والے:

☆ مسز جاوید اختر' وہاڑی

☆ حافظ محبوب احمد خان' لاہور

☆ رضوان علی' لاہور

☆ حامد اشرف' لاہور

مراقبۂ موت

تحریر: خالد مختار
تلخیص وتہذیب: محمد خلیق

یہ حقیقت ہر انسان کو ہر وقت سامنے رکھنی چاہیے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اسے مسلسل سوچتے رہنا چاہیے کہ اگر اسی گھڑی موت آ گئی تو کیا ہوگا۔ اگر پہلے سے کوئی تیاری نہیں کر رکھی تو عین وقت پر وہ کیا کر سکے گا!

دنیا میں انسان آرزوؤں اور تمناؤں کے سہارے جی رہا ہے۔ اِن جھوٹی تمناؤں کا انجام دیکھنا ہو تو قبرستان چلے جاؤ۔ ساری حسرتیں' تمنائیں اور آرزوئیں خاک میں ملی ہوئی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ جن کی آدھی آدھی دُنیا پر حکومت تھی' بلکہ بعض نے تو پوری دُنیا پر حکومت کی' ان بادشاہوں نے تمناؤں اور آرزوؤں کے کیسے کیسے محل تعمیر کر رکھے تھے۔ لیکن موت نے آ کر ان نامور سلاطین کو ان کی آرزوؤں سمیت خاک میں ملا دیا۔

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سُو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے یہ بھی دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے' تماشا نہیں ہے

سوچا جائے کہ ہمیں کہاں جانا ہے! جس شخص نے اپنی زندگی میں اللہ کو راضی نہیں کیا' گناہوں میں زندگی گزار دی' توبہ واستغفار نہیں کی' گناہوں کو چھوڑنے کا تہیہ نہیں کیا' جب وہ مرنے کے بعد قبر میں جاتا ہے تو ایسے شخص کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''قبر اس سے خطاب کرتی ہے کہ اب تک تُو میرے اُوپر چلتا رہا' آج میرے اندر ہے۔ آج دیکھ تیری کیسی خبر لیتی ہوں۔ پھر وہ اس طریقے سے دباتی ہے کہ پسلیاں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔''

وہ وقت آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

موت کو یاد رکھنے کے کئی فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب انسان مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو دُنیا سے اس کا دِل اچاٹ ہو جاتا ہے' گناہ از خود چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی رضا حاصل کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام دنیاوی پریشانیوں کے کفیل ہو جائیں گے۔ ایسے شخص کی حاجات اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے پوری فرمائیں گے کہ خود اُسے پتا نہیں چلے گا کہ کہاں سے پوری ہو رہی ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو شخص اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکل سے نجات کا راستہ بنا دیتے ہیں۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔''

دنیاوی دوستی میں بھی فریقین ایک دوسرے کا کام خوشی سے کر دیتے ہیں' تو جو اللہ تعالیٰ کا ولی بن گیا کیا اللہ تعالیٰ اُسے بھول جائیں گے! یہ ناممکن ہے کہ جس نے آخرت کے خوف سے نافرمانی چھوڑ دی' وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہ بنے یا اللہ تعالیٰ اس کے ولی نہ بنیں۔ آج کا مسلمان بھی اللہ سے دوستی کا خواہش مند ہے' مگر وہ اسے وظیفے پڑھ پڑھ کر دوست بنانا چاہتا ہے۔ اب اسے کون سمجھائے کہ محض وظیفے پڑھنے سے کوئی ولی اللہ نہیں بنا کرتا۔ اس کے لیے تو گناہوں کو ترک کرنا پڑتا ہے اور اللہ کی نافرمانی چھوڑ کر اس کا بندہ بننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غیر اللہ کا خیال دِل سے نکل جائے۔ دِل میں نہ کسی کا خوف باقی رہے نہ کسی سے طمع رہے۔ خوف ہو تو صرف ایک ذات کا' اُمید وابستہ ہو تو صرف ایک ذات سے۔ یہ دولت کہاں سے ملے گی؟ مدارس سے یا کتابوں میں جس توحید کا درس ملتا ہے' اس کا تعلق صرف عقائد سے ہے۔ درسِ توحید پڑھ کر یا سن کر عقیدہ تو درست ہو جائے گا مگر دِل پاک نہ ہوگا۔ اس کے لیے نیک اور باعمل لوگوں کی صحبت اختیار کرنا پڑے گی۔

موت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت ذہن کو حاضر کر کے یوں سوچے کہ مجھ پر نزع کی حالت طاری ہے' میری جان نکل رہی ہے۔ والدین' بہن بھائی' عزیز واقارب' ڈاکٹر اور طبیب سب بے بس اور مجبور کھڑے ہیں۔ ہر کوئی اپنی شکست تسلیم کر چکا ہے۔ کوئی دوا کارگر نہیں۔ دعائیں بھی بے اثر ہو گئیں' تعویز گنڈوں سے بھی کام نہ چلا۔ سب کوشش بے کار ہو گئیں۔ اب آگے سوچیں کہ یہ جان تکلیف سے نکل رہی ہے یا آسانی سے! ظاہر ہے آپ کا دماغ یہی فیصلہ کرے گا کہ جان آسانی سے نکلنی چاہیے۔ اس کی ترکیب صرف یہی ہے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور مالک حقیقی کو راضی کریں۔ گناہوں کی بھی تین قسمیں ہیں:

1۔ ایک وہ جن کو آج کی دنیا بھی واقعی گناہ سمجھتی ہے' جیسے جھوٹ بولنا' چوری کرنا' رشوت لینا وغیرہ۔ اگرچہ لوگ ان گناہوں میں مبتلا ہیں مگر سمجھتے ضرور ہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔

2۔ دوسری قسم کے گناہ وہ ہیں جنہیں آج کی دنیا نے گناہوں کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے۔ لوگ انہیں گناہ سمجھتے ہی نہیں' جیسے کسی شدید ضرورت کے بغیر تصویر لینا۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے گناہ آج معاشرے کا جزو بن چکے ہیں۔

3۔ تیسری قسم کے گناہ وہ ہیں جنہیں لوگ گناہ کی بجائے ثواب سمجھتے ہیں۔ جیسے کسی کے مرنے پر ایصالِ ثواب کے لیے دعوتوں کا سلسلہ چل پڑتا ہے' قبر میں ''عہد نامہ'' رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نجانے کتنی دُعائیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ کا کلام سامنے موجود ہے' رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ ارشادات اور آپؐ کی سیرت طیبہ اپنی محفوظ شکل میں موجود ہے لیکن آج کے مسلمان کو تو بس ٹوٹکوں اور وظیفوں سے عشق ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: حضرت کچھ پڑھنے کو بتا دیجیے۔ مولانا نے اُسے قرآن کی ایک آیت بتا دی۔ اس شخص کی تسلی نہ ہوئی اور بولا: حضرت! کچھ سینے سے دیجیے۔ مولانا نے فرمایا: ''سینے میں تو بلغم ہوتا ہے۔ جب اسے نکالوں تو اُٹھا لیجیے گا۔''

مراقبہ کا مطلب کسی بات کے متعلق یکسوئی سے بیٹھ کر سوچنا ہے۔ آپ کے پاس جو وقت فرصت اور سکون کا ہو' اُس میں دِل ودماغ کو حاضر کر کے شروع میں تھوڑی دیر کے لیے موت کے متعلق سوچنا شروع کیجیے۔ مراقبے کی کوئی خاص صورت متعین نہیں' بس مقصد یہ ہے کہ اس حقیقت کو سوچے اور بار بار سوچے۔ روزانہ مراقبۂ موت کا اہتمام ہر مسلمان کو لازماً کرنا چاہیے۔ حدیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔''

موت کو یاد رکھنے والے مسلمان کی زندگی گناہوں کی آلودگی سے پاک رہتی ہے۔ گناہ کے جتنے اسباب ہیں' موت کی یاد سب کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جو انسان موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے وہ دنیا میں کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ جو کوئی موت کو جتنا یاد کرے گا' پریشانیوں سے اُتنا ہی نجات

پائے گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ایک سچے مسلمان کو جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے‘ موت کی اتنی بھی تکلیف نہیں ہوگی جتنی چیونٹی کے کاٹنے کی۔

جب انسان یہ سوچے گا کہ مجھے ایک دن مرنا ہے اور اللہ کے سامنے پیش ہوکر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے تو وہ دین و دنیا کا ہر کام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے مطابق کرے گا۔ اس میں اپنی خواہش اور عقل کو دخیل نہیں بنائے گا۔ چنانچہ جس حد تک انسان موت کا مراقبہ کرے گا‘ بدعات و رسوم سے بچا رہے گا۔ بہت سے گناہ اور بدعات انسان اس لیے کرتا ہے کہ کہیں عزیز و اقارب ناراض نہ ہو جائیں۔ یاد رکھیے‘ یہ تعلقات اور رشتہ داریاں صرف دنیا کی حد تک ہیں‘ قیامت میں یہ لوگ کچھ کام نہ آئیں گے۔ جہنم میں جانے والے لوگ جب یہ عذر تراشیں گے کہ ہمیں تو شیطان نے بہکایا تھا تو وہ جواب دے گا کہ میں نے کسی سے زبردستی گناہ نہیں کروائے تھے۔ میں تو صرف گناہوں کی ترغیب دیتا تھا‘ گناہ تو سب لوگ اپنے اختیار سے کرتے تھے۔ لہٰذا آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

مراقبۂ موت حب مال اور حب جاہ کا مجرب علاج ہے۔ موت کو یاد کرتے رہنا نصیحت کے لیے بالکل کافی ہے۔ آپ وعظ و نصیحت کی ہزاروں کتابیں پڑھ لیں‘ ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا موت کو ایک بار یاد کرنے سے ہوگا۔ مراقبۂ موت بذات خود بہت بڑا وعظ ہے۔ یہ بڑی ہی نصیحت کرنے والی چیز ہے۔

دنیا کا عیش و نشاط ایک دھوکا ہے۔ یہ چیزیں اوّل تو دُنیا میں ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گی‘ اگر رہ بھی گئیں تو زیادہ سے زیادہ موت تک رہیں گی۔ موت آتے ہی دُنیا کی ہر چیز چھوٹ جائے گی۔ جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے کر چلو تو یہ سوچ لیا کرو کہ کسی روز ہمیں بھی لوگ یوں ہی اُٹھا کر لے جائیں گے۔ یاد رکھیے‘ کوئی بھی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اللہ سے دُعا ہے کہ ہم سب کو بصیرت کی وہ آنکھ عطا فرمائیں جس سے دوسروں کے حالات دیکھ کر عبرت حاصل ہو!

رہ کے دُنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

دعائے مغفرت

تنظیم اسلامی سندھ زیریں کے رفیق امان اللہ خان مہر کے والد محترم وفات پا گئے ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف!

ہشیار باش!

بھارت اور پاکستان کے مابین تعلقات کی بحالی اور محبت کی پینگیں بڑھانے کا جو عمل اس وقت جاری ہے وہ اگرچہ فی نفسہٖ خوش آئند ہے لیکن اگر یہ عمل

پاکستان کی نظریاتی اساس کے استحکام

—— کے بغیر یا اس سے قبل کسی منطقی نتیجے تک پہنچ گیا تو یہ ——

پاکستان کے لئے خودکشی ثابت ہوگی!!

ع ''ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں!''

خادم اسلام و پاکستان خاکسار **ڈاکٹر اسرار احمد** عفی عنہ
صدر انجمن خدام القرآن —— بانی تنظیم اسلامی —— داعی تحریک خلافت پاکستان
۳۶۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور (فون: 03-5869501)

اخباری اشتہار کی صورت میں بانی تنظیم کا یہ پیغام پاکستان کے متعدد اخبارات میں شائع ہوا۔

بقیہ: اداریہ

حاصل تھا کہ وہ اپنی زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے ایسے ملک کا محتاج نہ رہے جو اُس کے وجود کو تسلیم کرنے کے لئے دلی طور پر رضامند نہ تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی اور کرنے کا اصل کام یہ تھا کہ پاکستان کو سیاسی‘ معاشی‘ معاشرتی اور نظریاتی سطح پر انتہائی مضبوط کیا جاتا اور اُس وقت تک بھارت سے کسی قسم کی چھیڑ خانی نہ کی جاتی جب تک پاکستان ہر لحاظ سے ایک مضبوط اور مستحکم ملک نہ بن جاتا۔ یہ سوچ بھی کس قدر احمقانہ تھی کہ بھارت چند روزہ جنگ یا کشمیر میں خون خرابہ سے مجبور ہو کر کشمیر پاکستان کی جھولی میں ڈال دے گا یا کشمیری بھارت جیسی طاقت کے خلاف اپنا سب کچھ جھونک دیں گے اور وہ اس ملک کا حصہ بننے کے لئے بے تاب ہیں۔ جہاں سیاسی انتشار ملک کو خانہ جنگی کی طرف لے جا رہا ہے‘ جو آج نہیں تو کل معاشی لحاظ سے دیوالیہ ہونے کو ہے‘ جہاں اخلاقی اقدار تباہ کر دی گئی ہیں‘ جو معاشرتی لحاظ سے کنفیوژن کا شکار ہے اور اُس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں‘ جو اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی وجہ سے خود دو لخت ہو چکا ہے‘ جو نظریاتی راہ گم کرنے کی وجہ سے اپنے وجود کا جواز کھو بیٹھا ہے اور اب اپنے تشخص کا متلاشی ہے۔ کشمیر یقیناً بنے گا پاکستان لیکن یہ پاکستان کے پاکستان بننے سے پہلے ممکن نہیں۔ یہ مسئلہ اسلام دشمن سفید سامراج کا پیدا کردہ ہے۔ پاکستان کو اسلامستان بنائے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

○○○

امیر تنظیم کا دورۂ میرپور

23 مئی 2005ء بروز اتوار امیر محترم حافظ عاکف سعید کلار مع ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی اور ناظم حلقہ پنجاب شمالی خالد محمود عباسی براستہ منگلہ دن گیارہ بجے تشریف لائے۔ یہ حضرات میرپور حدود میں داخل ہوئے تو رفقاء کے چہرے کِھل اُٹھے' سید محمد آزاد مع رفقاء چشم براہ تھے۔ تنظیمی امور بشمول ضلعی امیر کے انتخاب کو دو دیگر ضروری امور ظہر تک مسجد D.1 میں نمٹانے کے بعد نماز ظہر کے متصل درس قرآن میں امیر محترم نے موجودہ حالات کے پیش نظر نہایت مدلل مگر مختصر تقریر دلپذیر ایسی کی کہ علمائے کرام' اساتذہ کرام اور تاجر حضرات نے بعد میں الگ نشست میں سوالاً جواباً گفتگو کی۔ رُفقاء کی حاضری 100% تھی۔ احباب نے فیاض اختر میاں کی خدمات کو بھی سراہا۔ آخری نشست نہایت ہی علمی ماحول میں ہوئی اور رقت آمیز دُعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ یوں قافلہ دعوت و حق سہ پہر ساڑھے تین بجے عازمِ سفر اسلام آباد ہوا۔ یہ امر خوش آئند کہ نظم ہائے ذیلی کو فعال کرنے میں امیر محترم خود دلچسپی لے رہے ہیں۔ (مرتب: قاری شبیر احمد سلفی' میرپور)

تنظیم اسلامی وسطی لاہور کا ماہانہ نصف روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی وسطی لاہور کا ماہانہ نصف روزہ تربیتی و دعوتی پروگرام مورخہ 22 مئی بروز اتوار صبح ساڑھے نو بجے بمقام 37 حق اسٹریٹ اُردو بازار لاہور منعقد ہوا۔ پروگرام کی قیادت امیر تنظیم وسطی جناب مجیب الرحمٰن صاحب نے کی' امیر حلقہ جناب ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے پروگرام میں کُل وقتی شرکت فرمائی۔ محترم جناب شکیل احمد نے سورۂ مبارکہ ''الحج'' کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں روزِ محشر کی ہولناکیوں کی منظرکشی کی۔ جناب امجد محمود صاحب نے نماز کے بنیادی ارکان اور ان کی اہمیت و ضرورت اور ضروری مسائل بیان کیے۔ جناب اختر زمان نے نماز کے حوالے سے چند اشعار سامعین کے گوش گذار کیے۔ جناب خالد مختار صاحب نے ''مراقبۂ موت'' کے موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ جناب مجیب الرحمٰن صاحب نے ندائے خلافت سے اقتباس ''گاڑی کی صفائی'' تحریر جناب قرۃ العین صاحب اور آمنہ اشفاق صاحبہ کی تحریر ''اسلام میں توبہ کی اہمیت پڑھ کر سنائی تا کہ سامعین پروگرام کے شوقِ مطالعہ کو فزوں تر کیا جائے۔ مبارک گلزار صاحب نے کتابچہ ''تعارف تنظیم اسلامی'' سے مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی تقریر پڑھ کر سنائی اور جہاں محسوس کیا مشکل الفاظ کی عام فہم زبان میں تشریح کی۔ جناب نثار احمد خاں صاحب نے ''حقیقتِ ذکر'' کے موضوع پر سورۂ احزاب اور دیگر قرآنی آیات کی روشنی میں مدلل و مفصل گفتگو کی۔

امیر حلقہ محترم جناب ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنی اختتامی گفتگو میں فرمایا کہ نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہی صحیح طرزِ عمل ہے اور یہی راہِ مستقیم ہے۔ امیر حلقہ نے مزید کہا کہ ہمیں قرآن پاک اور حدیث مبارکہ کی وہ تفسیر' تشریح اور توضیح قابل قبول ہونی چاہیے جو ہماری اُخروی نجات کا سبب بن جائے۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد یہ پروگرام دعائے مسنونہ پر اختتام پذیر ہوا۔ اس پروگرام میں 45 رفقاء و احباب نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ شرکاء پروگرام کو کھانا کھلایا گیا اور یوں یہ تربیتی و دعوتی پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (مرتب: عبدالرؤف)

امیر حلقہ سرحد شمالی کا دعوتی و تنظیمی دورہ

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس دورے کے پہلے مرحلے پر 16 مئی 2004ء بروز پیر کو امیر حلقہ سرحد شمالی جناب محمد نعیم خان صاحب واڑی پہنچے۔ واڑی میں تنظیم کے دو منفرد رفقاء خورشید صاحب اور احسان اللہ صاحب ''جن کو پہلے سے اطلاع دی جا چکی تھی'' شاہین ماڈل پبلک سکول میں انتظار کر رہے تھے۔ تقریباً 45 منٹ کی اس ملاقات میں امیر حلقہ نے انہیں شب بسری میں شرکت' انفاق فی سبیل اللہ اور انفرادی دعوت دینے کی ترغیب دی۔

واڑی سے روانہ ہو کر تقریباً 5 بجے بی بیوڑ پہنچے۔ پہلے نماز عصر ادا کی۔ اس کے بعد دفتر تنظیم اسلامی بی بیوڑ میں سب رفقاء جمع ہو گئے۔ تعارفی نشست کے بعد امیر حلقہ نے تمام رفقاء کو دینی ذمہ داریاں یاد دلا دی۔ اور انہیں اجتماعات میں شرکت' انفاق فی سبیل اللہ میں اپنا حصہ ڈالنے اور دعوتی سرگرمیوں کی ترغیب دلائی۔

بعد از نماز مغرب بی بیوڑ کے ''خوڑ جماعت'' میں امیر حلقہ نے بندگی رب کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا: اس پروگرام میں تقریباً 90 احباب نے شرکت کی۔ اگلے دن یعنی 17 مئی 2004ء بروز منگل دیر کے لیے روانگی ہوئی۔ اسی دن بعد نماز عصر دفتر تنظیم اسلامی دیر میں امیر حلقہ نے رفقاء سے ملاقات کی۔ پہلے تعارفی نشست ہوئی۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے رفقاء سے اقامت دین کے بارے میں مفصل خطاب فرمایا۔

تیسرے دن 18 مئی 2004ء کو گندیگار میں جہاں ہمارے دو رفقاء جو کہ حال ہی مبتدی تربیت گاہ ''گڑھی شاہو لاہور میں'' کر چکے ہیں نے امیر حلقہ کے لیے دعوتی پروگرام رکھا تھا۔ نماز عصر دیر میں ادا کی۔ اور اس کے بعد گندیگار روانہ ہو گئے۔ مغرب کی اذان سے تقریباً 15 منٹ قبل گندیگار پہنچے۔ بعد از نماز مغرب امیر حلقہ نے اقامت دین کے حوالے سے مفصل خطاب فرمایا۔ پونے نو بجے پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس خطاب کو تقریباً پچاسی افراد نے سنا۔ عشاء کی نماز وہاں پر ادا کی۔ رات ساڑھے گیارہ بجے واپس دیر پہنچے۔

چوتھے روز یعنی 19 مئی 2004ء بروز جمعرات دیر ہوٹل دیر میں قرآنی کونشن تھا۔ اس دن 18 مئی کو مقامی تنظیم دیر'' جس کے امیر جناب لائق سید صاحب ہیں'' کے رفقاء جناب سعید اللہ صاحب اور منظور صاحب نے قرآنی کے دعوت نامے' خطوط پہنچانے اور دیر ہوٹل میں بینر وغیرہ لگوانے کی ذمہ داری خوب نبھائی۔

20 مئی 2004ء یعنی بروز جمعۃ المبارک امیر حلقہ نے ہمارے بزرگ رفیق تنظیم غوث الرحمٰن صاحب کی بیمار پرسی کی' جو کہ تین چار مہینے سے بیمار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ نصیب فرما دیں۔

21 مئی 2004ء کو صبح 9 بجے دیر سے تیمر گرہ کے لیے روانگی ہوئی۔ اور تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مرکز تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی پہنچے۔ اور اسی طرح امیر حلقہ سرحد شمالی کا یہ پانچ روزہ دعوتی و تنظیمی دورہ اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: تنظیم الحق)

ناظم حلقہ پنجاب شمالی کا دورہ پنڈی گھیب

ناظم حلقہ شمالی پنجاب خالد محمود عباسی ایک روزہ مختصر دورے پر مورخہ 16 مئی 2005ء کو بعد نماز ظہر پنڈی گھیب پہنچے۔ اُن کے ہمراہ اسلام آباد کے رفیق جناب ثاقب بھی تھے۔ اُن کی آمد کا اہم مقصد امیر تنظیم (مقامی) کے دو سال مکمل ہونے پر رفقاء سے اُن کی آراء حاصل کرنا تھیں تا کہ اِن آراء کو امیر محترم جناب عاکف سعید تک پہنچایا جا سکے اور وہ اُن آراء کی روشنی میں تنظیم کی امارت میں اگر کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو کر لیں وگرنہ حسب سابق ہی تنظیم کا نظم چلتا رہے۔

اس تازہ ترین دستوری ترمیم کے تناظر میں رفقاء کی معلومات بالکل ہی محدود تھیں۔ اور ہر رفیق یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید یہ بھی رائے شماری ہی کی طرح ہو گی۔ اسی بات کے مدنظر جب رفقاء کا اجلاس بعد از نماز عصر دفتر تنظیم میں شروع ہوا تو ناظم صاحب نے پہلا سوال ہی یہی کیا۔ کہ آج کا اجلاس بلانے کا مقصد بتائیں۔ مکمل یا تسلی بخش جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ بعد ازاں خالد محمود عباسی صاحب نے اسی ''اسلامی رائے شماری یا طریقہ انتخاب'' کی وضاحت کی۔

اس طریقہ انتخاب اور مروجہ طریقہ انتخاب میں بہت فرق ہے۔ اسلامی رائے شماری کے طریقہ انتخاب میں فیصلہ اکثریتی بناء پر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مرکزی امیر اپنی مرضی سے جسے چاہیں مقامی امیر بنا دیں۔ چاہے اُس کے متعلق کسی رفیق کی رائے کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ جبکہ مروجہ طریقہ انتخاب میں جس کے ووٹ زیادہ ہوں گے وہ ذمہ داری سنبھالے گا۔ مروجہ طریقہ انتخاب کسی بھی نظم کے سربراہ کو منتخب کرتا ہے جبکہ اسلامی رائے شماری میں مقامی نظم کے لیے امیر کا انتخاب امیر محترم

کرتے ہیں۔ اسلامی طریقہ رائے شماری میں رائے دہندہ کے تجربے اور عملی معاونت کو بھی مرکزی امیر مدنظر رکھتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب اس کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس کو موقع مل سکتا ہے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ سابق مقامی امیر کو ہر صورت میں ہٹانا ہی ہے بلکہ اگر امیر محترم سمجھیں تو سابقہ نظم ہی کو مزید دو سال کے لیے یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے لیے برقرار رکھ سکتے ہیں۔

بعد ازاں مخصوص رائے شماری فارم پر رفقاء نے ایسے تین رفقاء جو کہ مستقبل کے لیے مقامی نظم کو چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں کے نام لکھے بعد ازاں ناظم نے سب رفقاء سے یہ فارم وصول کئے اور اپنے پاس محفوظ کر لیے یہ فارم مرکزی امیر کھولیں گے اور مقامی امیر کے نظم کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے جس کی اطلاع حلقہ کے ذریعے رفقاء تک پہنچ جائے گی۔

اس موقع پر رفقاء کی حاضری تقریباً 100% رہی دو رفقاء کی معذرت تھی بعد نماز مغرب ناظم صاحب نے مسجد حسلیا نوالی میں توحید عملی کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا خطاب کیا اس میں شرکاء کی تعداد 100 کے قریب رہی۔ ناظم حلقہ تقریباً 9 بجے راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔

(رپورٹ: عبدالرحمان نوید)

تنظیم اسلامی نیو ملتان

21 مئی 2005ء بروز ہفتہ تنظیم اسلامی نیو ملتان کے زیر اہتمام ماہانہ کی ماہانہ شب بیداری کا پروگرام ہوا۔ یہ پروگرام امیر تنظیم اسلامی محمد عطاء اللہ خان صاحب کے گھر میں ہوا۔ پروگرام کا آغاز نماز مغرب کے بعد سلیم اختر صاحب کے درس قرآن سے ہوا۔ سلیم اختر صاحب تنظیم اسلامی ملتان شہر کے اسرہ امیر آباد کے نقیب ہیں اللہ تعالیٰ نے موصوف کو قرآن مجید کے ساتھ والہانہ لگاؤ عطا کیا ہے۔ دین کے لیے محنت اور لگن ان کے اندر بھری ہوئی ہے یہی تڑپ اور لگن وہ اپنے دروس کے ذریعے سامعین کے اندر پیدا کر دیتے ہیں۔

موصوف نے اس درس کی محفل میں سورۃ انشقاق کی آیت نمبر 6 پر درس دیا۔ جہاں فرمایا گیا:

''اے انسان تو مشقت پر مشقت جھیلتے ہوئے اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔''

موصوف نے فرمایا کہ انسان اور حیوان اس زندگی میں ہر وقت مشقت میں لگے ہوئے ہیں لیکن انسان کے لیے المیہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی مشقتیں جھیلنے کے بعد اپنے رب ذوالجلال کی عدالت میں محاسبہ کے لیے پیش ہونا ہے اور اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے۔ وہ انسان جو اللہ پر ایمان لایا اُسے انسانی ضروریات کے علاوہ ایمان کے تقاضہ کے طور پر اپنے رب کی بندگی اس کی اطاعت اور دین حق کے قیام کی کوشش کرنا ہے۔ آج کہیں جمہور کا دین ہے۔ کہیں بادشاہ کا دین ہے۔ کہیں بش کا دین ہے لیکن پوری روئے ارضی پر اللہ کا دین اسلام کہیں عملاً نافذ نہیں ہے۔ آج مختلف انسان فرعونوں کی شکل میں خدا بنے بیٹھے ہیں۔ آج توحید کے علمبردار بھی اس طاغوتی نظام میں چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ اجتماعی سطح پر توحید کا نظام قائم کرنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔

درس کے بعد نماز عشاء کی ادائیگی ہوئی نماز کے بعد محمد امین خان نقیب اسرہ نے کتاب ''محسن انسانیت'' سے حضور ﷺ کے بچپن اور نوجوانی کے حوالہ سے سیرت کا مطالعہ کیا اور حضور ﷺ کے بچپن کا بے داغ نمونہ سامنے دکھلایا۔

مطالعہ سیرت کے بعد رفیق عبدالرؤف خان صاحب نے اپنی دل سوز آواز میں درس حدیث دیا۔ جس میں انہوں نے سات بڑے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا۔

1۔ شرک 2۔ جادو 3۔ قتل ناحق 4۔ سود کھانا 5۔ یتیم کا مال کھانا 6۔ میدان جہاد سے بھاگنا اور 7۔ آخری گناہ پاک باز خاتون پر زنا کی تہمت لگانا۔

درس حدیث کے بعد بانی محترم کا ''آیت بر'' نیکی کی حقیقت کے موضوع پر 45 منٹ کا خطاب بذریعہ سی ڈی سنا گیا۔ آخر میں سامعین کو رات کا کھانا کھلایا گیا۔

9 رفقاء نے رات کو وہیں قیام کیا صبح 3 بجے تہجد کے لیے سب رفقاء کو جگایا گیا۔ تمام رفقاء نے انفرادی طور پر نوافل ادا کیں۔

(مرتب: شوکت حسین)

تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے دعوتی و تربیتی پروگرام

الحمدللہ گزشتہ پانچ ماہ کے دوران تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے زیر انتظام ماہانہ بنیادوں پر ایک دعوتی و تربیتی پروگرام کا انعقاد تسلسل اور کامیابی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کا انعقاد امیر تنظیم محترم عرفان طاہر صاحب کی زیر نگرانی تشکیل دیا گیا۔ پروگرام کا بنیادی مقصد ایک طرف دعوتی سرگرمیوں کو پروان چڑھانا اور دوسری طرف رفقاء کی تربیت اور تعلیم کا بندوبست کرنا ہے۔ پروگرام نماز مغرب کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مغرب تا عشاء کا وقت دعوتی پروگرام کے لیے مخصوص ہے اس حوالے سے ہر ماہ کسی نہ کسی خاص موقع کی مناسبت سے موضوع کا چناؤ کیا جاتا ہے جس کے بارے میں اظہار خیال کے لیے مختلف شخصیات کو دعوت دی جاتی ہے۔ پروگرام کے اختتام پر سوال و جواب کی نشست ہوتی ہے اور احباب و رفقاء کے لیے چائے یا مشروبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد پروگرام کا دوسرے یعنی تربیتی حصے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حصے کی پہلی نشست کے اجزاء میں تلاوت و ترجمہ قرآن' تذکیر بالقرآن' تذکیر بالحدیث اور مطالعہ لٹریچر وغیرہ شامل ہیں۔ اس تربیتی پروگرام کا اہم پہلو یہ ہے کہ ہر مرتبہ مختلف اسرہ جات کے رفقاء کو ذمہ داری دی جاتی ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر پروگرام کے لیے ایک عنوان تجویز کیا جاتا ہے اور تمام اجزائے پروگرام اسی عنوان کے تحت ہوتے ہیں۔ تربیتی حصے کی دوسری نشست رات کے کھانے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس نشست میں عموماً بنیادی دینی مسائل' تعارف شرکاء اور عنوان کے متعلق مذاکرہ کیا جاتا ہے۔ تقریباً نصف شب تک جاری رہنے کے بعد تربیتی نشست کے دوسرے حصے کا اختتام ہو جاتا ہے۔ مختصر استراحت کے بعد شرکاء کو تہجد کی ادائیگی کے لیے بیدار کیا جاتا ہے۔ نصف گھنٹے تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد نصف گھنٹہ تک شرکاء کے لیے چند قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ کے اجتماعی حفظ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اجتماعی دعاء پر پروگرام کا اختتام ہوتا ہے۔ اس سلسلے کے جو پروگرام ہو چکے ہیں ان کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

جنوری 2005ء: دعوتی پروگرام بعنوان ''فلسفۂ قربانی'' مقرر: جناب رحمت اللہ بٹر صاحب
تربیتی پروگرام بعنوان ''صبر''

فروری 2005ء: دعوتی پروگرام بعنوان ''تصور شہادت'' مقرر: انجینئر حافظ عبداللہ محمود
تربیتی پروگرام بعنوان ''ایمان''

مارچ 2005ء: دعوتی پروگرام بعنوان ''قیام پاکستان کے تقاضے'' مقرر: جناب ڈاکٹر عارف رشید صاحب

اپریل 2005ء: دعوتی پروگرام بعنوان ''نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق'' مقرر: جناب شاہد اسلم صاحب تربیتی پروگرام بعنوان ''تواصی بالحق''

مئی 2005ء: دعوتی پروگرام بعنوان ''قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی سنت'' مقرر: جناب بریگیڈیر غلام مرتضیٰ صاحب تربیتی پروگرام بعنوان ''تواصی بالحق''

ان پروگراموں میں رفقاء کی شرکت بھی بہتر ہوئی ہے۔ احباب کو لانے کے لیے کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ مختصراً یہ پروگرام اپنی نوعیت اور انعقاد کے حوالے سے الحمدللہ کافی مفید ثابت ہوئے ہیں۔ پروگرام کی اس کامیاب انعقاد میں امیر تنظیم لاہور شرقی' تمام نقباء و رفقاء کی کاوشوں کے علاوہ انتظامیہ طوبیٰ گرلز کالج کی انتظامیہ اور خصوصاً محترم امجد احمد مختار کا تعاون شامل حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مزید محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری کم ترین محنت کو اپنی جناب میں قبول فرمائے۔ آمین!!

(رپورٹ: محمد جہانزیب گوندل: نقیب اسرہ ماڈل ٹاؤن' لاہور)

دیر میں ایک روزہ قرآنی کنونشن

امیر حلقہ سرحد شمالی جناب محمد نعیم صاحب 16 تا 19 مئی اپنے آبائی گاؤں دیر میں دعوتی اور تنظیمی دورے پر رہے جس میں منفرد رفقاء' احباب' مقامی تناظیم اور ان کے تحت اُسرہ جات کے رُفقاء اور ذمہ داران سے ملاقاتیں' مشورے اور ترغیبی گفتگو ہوئی۔ رفقاء کے سامنے جن باتوں کو

تاکید کے ساتھ رکھ دیا گیا اُن میں رپورٹس کی بروقت ترسیل اجتماعات میں شرکت انفاق کی ادائیگی اور ذاتی دعوتی کام سرفہرست رہا۔

19 مئی کو دیر میں جو کہ سرحد کی تاریخ میں ایک جداگانہ حیثیت کا حامل خطہ ہے۔ فطری خوبصورتی کی وجہ سے اندرونی اور بیرونی سیاحوں کی توجہ کا خاص مرکز رہتا ہے۔ سطح سمندر سے اُونچائی اور لواری ٹاپ سے قربت کی بنا پر جون جولائی میں بھی پنکھے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس خوبصورت وادی دیر کے ایک پرکشش ہوٹل میں تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی کے زیر اہتمام ایک روزہ قرآن کونشن منعقد ہوا۔ جس کے لیے حلقہ سرحد جنوبی کے نوجوان مقرر محترم جناب قاضی فضل حکیم صاحب خصوصی طور پر مدعو کیے گئے تھے۔ اس کونشن کا پس منظر دراصل یہ تھا کہ امیر حلقہ جناب محمد فہیم صاحب جنہیں اللہ تعالیٰ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کے وصف سے بھی نوازا ہے کچھ ہی عرصہ قبل کافی علیل رہے۔ شاید اسی علالت ہی میں غور و فکر کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے قریبی دوست واحباب کو فی ہفتہ ایک مکتوب لکھنا شروع کیا جس میں ان کے سامنے دین کا مکمل اور جامع فکر رکھا۔ حقیقت انسان' انسان بہ حیثیت عبد و خلیفہ' اسلام ایمان اور جہاد' دین و مذہب اور سیکولرازم' فرائض دینی کا جامع تصور' عبادت رب اور شہادت علی الناس' اقامت دین' خوفناک صورت حال' پس چہ باید کرد۔ اسی طرح کل 9 عدد مکتوبات لکھے گئے۔ جن کے اختتام پر مزید افہام و تفہیم کے لیے اُن احباب کو مدعو کر کے اُن کی خدمت میں یہ ایک روزہ قرآن کونشن کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ پروگرام کا آغاز نماز عصر سے قبل پورے پانچ بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ مدعوئین کی کافی تعداد تشریف لائی تھی۔ تلاوت کلام کے بعد محمد فہیم صاحب نے اپنی افتتاحی کلمات میں شرکاء کو خوش آمدید کہا اور کونشن کے انعقاد کے پس منظر پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مہمان مقرر جناب قاضی صاحب اپنے موضوع ''اقامت دین کا قرآنی تصور'' پر سامعین سے مخاطب ہوئے اور بورڈ کے ذریعے اپنے موضوع کے ایک ایک لفظ کے معنی' مفہوم اور تشریح کو آیات قرآنی' احادیث' اقبالیات رحمانیات (عبدالرحمن بابا کے اشعار) اقوال اور امثال کے ذریعے واضح کیا۔ آپ نے قرآن کے متعلق مختلف عوامی محدود تصورات اور بزعم خویش تعلیم یافتہ اور روشن خیال حضرات کی غلط فہمیوں کو بیان کرنے ساتھ ساتھ مذہبی جماعتوں کی قرآن کے ساتھ لاتعلقی کی نشاندہی بھی کی۔ آپ نے سامعین کو بتایا کہ یہ کتاب جو کہ بامعنی الفاظ کا ایک مجموعہ ہے اتباع اور پیروی کے لیے اُتری تھی۔ لیکن آج مسلمانوں کی اکثریت اس کی وجۂ نزول سے عاری ہے۔ اُمت کا بڑا حصہ اسے ایصال یا حصول ثواب کی ایک کتاب تصور کرتا ہے یا ہندوؤں کی کتابوں کی طرح اسے دم' جادو اور جنتر منتر کی ایک چیز سمجھتا ہے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اللہ کی رضا اور دنیا و آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے ہمیں قرآن کے دامن میں پناہ لے کر انفرادی طور پر اپنے شب و روز کو بدلنا ہوگا اور یک جہت ہو کر اسی کتاب کی اقامت کے لیے اُٹھ کر کمر باندھنا ہوگی۔ قاضی فضل حکیم صاحب کی تقریر کے بعد محمد فہیم صاحب نے ڈائس پر آکر اپنی دعوتی مکتوبات کے حوالہ سے شرکاء کے سوالات کے مفصل انداز میں جوابات دیے۔ شرکاء نے اس ایک روزہ کونشن کو کافی سراہا اور تجاویز پیش کی کہ ایسے پروگرام لحہ بہ لحہ ضرور ہونے چاہیے۔ یہ پروگرام نماز مغرب پر اختتام کو پہنچا۔

(تحریر: شاہد وارث تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی)

[illegible]

رفقاء تنظیم اسلامی گلشن اقبال کو امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید' ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی اور امیر حلقہ جناب محمد نسیم الدین صاحب نے یہ اعزاز بخشا کہ اُن سے 8 مئی بروز اتوار بعد نماز مغرب ملاقات کی۔ سب سے پہلے قائم مقام امیر جناب حنیف خان صاحب نے تنظیم اسلامی گلشن اقبال کے علاقہ اور اُس کے نقباء کا تعارف پیش کیا۔ تنظیم اسلامی گلشن اقبال کا علاقہ پورا گلشن اقبال اور گلزار ہجری سکیم 33 علاقہ ہے۔ گلشن اقبال میں کل رفقاء کی تعداد 73 ہے جن میں 16 ملتزم ہیں۔ تنظیم اسلامی گلشن اقبال میں پانچ اسرہ جات ہیں۔ تنظیم اسلامی گلشن اقبال کے اس تعارف کے بعد امیر محترم نے رفقاء سے فرداً فرداً تعارف حاصل کے بعد رفقاء نے اس غیر رسمی ملاقات کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے مختلف سوالات کیے۔ جن کے جوابات امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب نے انتہائی شفقت و محبت سے دیئے کچھ سوالات کے لیے آپ نے White Board بھی استعمال کیا اسی اثناء میں نماز عشاء کا وقت ہوگیا۔ رفقاء کی درخواست پر امیر محترم نے حلقہ کے دفتر میں ہی جماعت کروائی۔ نماز کے بعد ایک بار پھر سوالات کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً سوا دس بجے کے قریب امیر محترم نے نئے شامل ہونے والے رفقاء سے بیعت لی جس کے بعد عشائیے پر اس غیر رسمی ملاقات کا اختتام ہوا۔ (مرتب: سلیم الدین)

آیئے وقت کو قیمتی بنایئے خود سیکھئے اور سکھایئے

گلی گلی کوچہ کوچہ دعوت دین پہنچایئے

خیر الناس من ینفع الناس بن کر اعلائے کلمۃ اللہ میں جت جایئے

سہ روزہ' ہفت روزہ پروگراموں میں وقت دے کر اپنے فکر کے استحکام' حرکی تربیت حاصل کریں' داعی الی اللہ بنیں اور دیگر تنظیمی و انتظامی اُمور میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین!

پانچ روزہ 22 تا 27 جون مظفر آباد آزاد کشمیر (حلقہ پنجاب شمالی)

رابطہ: طاہر سلیم امیر تنظیم اسلامی مظفر آباد الحنین کمپیوٹرز ریڈیو سٹیشن چوک مظفر آباد آزاد کشمیر

رابطہ فون نمبر: 058810-47848 - 0335-8102774

منجانب: **شعبہ دعوت و تفریغ اوقات' تنظیم اسلامی**

ضرورت لیڈی اٹنڈنٹ

ایک معذور خاتون کی ہمہ وقتی نگہداشت کے لیے ایک پختہ عمر کی بیوہ یا مطلقہ خاتون اٹنڈنٹ جو بھاری جسم والی مریضہ کو سنبھال سکتی ہو' کی فوری ضرورت ہے۔

برائے رابطہ: قمر سعید قریشی

فون: 0300-4619009 5869501-03

ضرورت رشتہ

☆ فرانس میں رہائش پذیر 21 سالہ لڑکی کے لیے' جو کہ وہاں BTS کی تعلیم حاصل کر رہی ہے' دینی مزاج کے حامل گریجوایٹ لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ آرائیں خاندان کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: محمد اقبال (فرانس)

(+0033)02-37545925

☆ لندن میں مقیم عمر 48 سال ساعت سے محروم صاحب کو عقد ثانی کے لیے ترجیحاً ساعت سے محروم خاتون کا رشتہ درکار ہے۔ پہلی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ بچے ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔

برائے رابطہ: سردار اعوان

K-36 ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ فون: 5869501-03

☆ بچی سپیشلسٹ ڈاکٹر' پنجابی اسپکلنگ فیملی' پابند دین کے لیے 33 سے 37 سال تک تعلیم یافتہ پابند دین دراز قد لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: لاہور موبائل: 0333-4543369

☆ لاہور کی رہائشی اردو اسپکلنگ فیملی کو 24 سالہ MBA تنظیم سے وابستہ بچی کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: فون (لاہور): 042-5183310

عالم اسلام کی خبریں

عراقی اب تک آئین نہیں بنا سکے

عراق میں عام انتخابات ہوئے۔ چار ماہ گزر چکے مگر عراقی اب تک اپنے ملک کا نیا آئین نہیں بنا سکے۔ یہ نہ صرف عراقیوں بلکہ ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے' کیونکہ جب عراقیوں میں امن وامان اور اتحاد قائم ہوگا' تب ہی امریکا پر دباؤ ڈالا جاسکے گا کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ عراقی حکومت نے امریکیوں سے درخواست کی ہے کہ وہ آئین کی تیاری میں اپنا کردار ادا کریں۔ کیا عراقی حکومت یہ حقیقت نہیں جانتی کہ ہر ملک کا آئین اس کے عوام کے نمائندے لکھتے ہیں' غیر ملکی عناصر یا ملکی اشرافیہ اُسے تشکیل نہیں دیتی۔ مزید برآں آئین کی تیاری نہایت پیچیدہ عمل ہے جس میں ملک کے تاریخی' جغرافیائی' معاشی' معاشرتی' سیاسی وغیرہ سب عوامل مدنظر رکھے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ عمل صرف عوام کے نمائندے ہی سرانجام دے سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ کم از کم وہ غیر ملکی قوت تو ہرگز موزوں نہیں جو غاصب کا درجہ رکھتی ہے۔

آئین کی تاخیر اس لیے ہو رہی ہے کہ سنی اور شیعہ عراقی معاملات طے نہیں کر پا رہے۔ امریکیوں کی آمد سے قبل سنی عراق میں برسراقتدار تھے۔ اب ملکی معاملات شیعوں کے پاس ہیں۔ سنی عراق میں اقلیت میں ہیں' یعنی لگتا ہے کہ وہ اب تک نئی صورت حال سے مفاہمت نہیں کر سکے۔ انہوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا اور اسی لیے ان کے بہت کم نمائندے اسمبلی میں پہنچ سکے۔ اب عراقی حکومت کو چاہیے کہ وہ سنیوں کا اعتماد حاصل کرے تا کہ جنگ اور خانہ جنگی سے تباہ حال یہ ملک ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

افغانستان میں عام انتخابات

اس برس پڑوسی ملک میں 18 ستمبر کو پارلیمانی انتخابات ہو رہے ہیں۔ افغان حکومت نے انہیں منعقد کروانے کے سلسلے میں تیاری شروع کر دی ہے۔ حامد کرزئی سمیت افغانی سیاست کے دیگر ممتاز رہنما اپنی رجسٹریشن کروانے لگے ہیں۔ فی الوقت 249 نشستوں کی پارلیمانی کے لیے 2884 اُمیدوار رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔ ان میں سے 342 خواتین ہیں۔ اُمیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم پچیس برس کی عمر رکھتا ہو اور کسی قسم کے جرائم میں ملوث نہ ہو۔

انتخابات پر امن طریقے سے کروانے کے لیے امکان ہے کہ افغانی فوج امریکیوں کے ساتھ وسیع پیمانے پر فوجی آپریشن لے گی۔ افغان حکومت کو خطرہ ہے کہ انتخابات ناکام بنانے کے لیے طالبان وسیع پیمانے پر جنگی کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ انتخابات کا موضوع سکیورٹی' افغان حکومت کی کامیابیاں وناکامیاں' امریکا سے تعلقات اور اسلام کا کردار ہوں گے۔ تاہم اُمیدواروں کی جیت میں شخصیت' قبائلی تعلقات اور جنگی قوت بھی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

مالدیپ میں نئے سیاسی دور کا آغاز

پچھلے مہینے مالدیپی پارلیمان نے وہ بل منظور کر لیا تھا جس کی رو سے اب ایک سے زیادہ سیاسی جماعتیں عام انتخابات میں حصہ لے سکتی ہیں۔ یہ بل منظور ہوتے ہی بیسیوں سیاسی جماعتیں اپنی رجسٹریشن کروانی لگی ہیں تا کہ سال کے آخر میں ہونے والے عام انتخابات میں حصہ لے سکیں۔ صدر مامون عبدالقیوم کی حکمران سیاسی جماعت' مالدیپی عوامی جماعت نے اپنے آپ کو رجسٹرڈ کروالیا ہے جب کہ حزب اختلاف کی مرکزی جماعت' مالدیپی جمہوری جماعت کی رجسٹریشن ابتدائی مراحل میں ہے۔

یاد رہے کہ مالدیپی جمہوری جماعت کو پہلے ملک میں سیاسی سرگرمیاں سرانجام دینے کی اجازت نہیں تھی اور وہ سری لنکا سے اپنے امور چلا رہی تھی۔ اس کے سربراہ محمد نصیر بھی کولمبو میں مقیم تھے۔ گو اب اپنے وطن واپس آ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سو فیصد مسلمان آبادی والے ملک میں یہ مثبت تبدیلیاں نئے دور کا آغاز کر دیں۔ (آمین)

شر سے خیر کا جنم

اللہ تعالیٰ اکثر اوقات شر سے خیر کا پہلو بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ حال ہی میں رونما ہونے والے دو واقعات اس امر کا ثبوت ہیں۔ جب سے امریکی فوجیوں نے اپنے قید خانوں میں قرآن شریف کی بے حرمتی کی ہے' امریکا میں عیسائی بڑی تعداد میں قرآن شریف خریدنے لگے ہیں اور ہماری مقدس کتاب میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی اسلام اور مسلمانوں کو بہتر طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو غیر مسلم ایک بار قرآن مجید پڑھ لے' وہ اس کی صداقت اور حقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور کبھی نہ کبھی اسلام قبول کر لیتا ہے۔

دوسرا ثبوت ہمارے قائداعظم سے متعلق ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی صفوں میں جب قائداعظم کے سلسلے میں لال کرشن ایڈوانی کے بیانات نے انتشار کو جنم دیا تو بھارت کی نئی نسل قائداعظم کی شخصیت میں دلچسپی لینے لگی۔ نئی دہلی میں بڑے کتب خانوں کے مالکوں نے صحافیوں کو بتایا کہ پچھلے ایک ہفتے میں قائداعظم پر لکھی سینکڑوں کتابیں فروخت ہو چکی ہیں جن میں سٹینلے والبرٹ کی تحریر کردہ کتاب نمایاں ہے۔ حتیٰ کہ بھارتی وزیر تعلیم ارجن سنگھ نے کئی کتب کا آرڈر دیا ہے۔ قائداعظم کی مقبولیت دیکھ کر دہلی کے بعض ناشر بابائے قوم کی سوانح پیپر بیک صورت میں شائع کرنے والے ہیں۔ بھارتی نئی نسل کو قائداعظم سے متعارف کروانا ضروری ہے تا کہ وہ اپنے سیاست دانوں سے ان کا موازنہ کر سکیں۔ یقیناً پھر وہ قائداعظم کے گرویدہ ہو جائیں گے۔

دہشت گرد کون؟

جب سے امریکا نے دہشت گردی کے خلاف اپنی جنگ شروع کی ہے دنیا میں خطرناک اسلحے کی تیاری میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پچھلے سال دنیا کے 159 ممالک نے ایک ٹریلین (سوارب) ڈالر کا اسلحہ خریدا۔ ذرا سوچیے اگر یہ رقم غریبوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے استعمال ہوتی تو کروڑوں لوگوں کی زندگی موجودہ حالت سے بہتر بنائی جا سکتی تھی۔

اس ایک ٹریلین ڈالر میں سب سے زیادہ حصہ امریکا کا ہے۔ یہ خرچ فوجی لحاظ سے دنیا کے اگلے طاقتور بتیس ممالک کے خرچ سے بھی زیادہ ہے۔ ماہرین کے مطابق امریکا کے جنگی خرچ میں اضافہ متوقع ہے اور وہ 2010ء تک 502 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا۔

اسلحے کی خریداری میں رقم خرچ کرنے والے پندرہ ٹاپ ممالک بالترتیب یہ ہیں: امریکا (455 ارب ڈالر)' برطانیہ (47.4)' فرانس (46.2)' جاپان (42.4)' چین (35.4)' جرمنی (33.9)' اٹلی (27.8)' روس (19.4)' سعودی عرب (19.3)' جنوبی کوریا (15.5)' بھارت (15.1)' اسرائیل (10.7)' کینیڈا (10.6)' ترکی (10.1) اور آسٹریلیا (10.1)۔ درج بالا ممالک میں سے پہلے پانچ ممالک کل اسلحے کی دو تہائی مقدار خریدتے ہیں۔ اس فہرست میں صرف دو مسلمان ملک' سعودی عرب اور ترکی شامل ہیں۔ یعنی یہ بھی اسلحہ صرف اپنے دفاع کے لیے خریدتے ہیں' دنیا جانتی ہے کہ ان کے جارحانہ عزائم ہرگز نہیں۔ جو ممالک جارحانہ عزائم رکھتے ہیں' انہیں بچہ بچہ جانتا ہے۔ اس کے باوجود عالمی ذرائع ابلاغ میں مسلمانوں کو دہشت گرد کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!"

یہ بھی پڑھ لیجیے کہ دنیا میں کون سے ملک اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ ان ممالک میں سرفہرست روس ہے۔ اس کے بعد بالترتیب امریکا' برطانیہ' فرانس' اور جرمنی کا نمبر آتا ہے۔ یہ پانچوں ملک دنیا کا 81 فیصد اسلحہ بناتے ہیں۔

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 22

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Approaching the actual end of history

After the fall of communism, Francis Fukuyama prematurely declared that liberal democracy constitute the "end point of mankind's ideological evolution" and the "final form of human government." He hastily called it "the end of history."[1]

Fukuyama could see the present. However, he could hardly foresee that the world was still a couple of decades shy of the actual end of history: the time when both communism and its adversary capitalism — along with the ideology of convoluted democracy that sub serves and sustains it — would lay in ruins.

Ideologically, the world is presently divided into the relevant and the not-so-relevant world. The relevant world is further divided into the Muslim majority countries and the US and its allies, which are pitted against Islam.

Despite being at its worst, the Muslim world is still relevant because of its potential to reemerge, lead and go for the best. The Muslim world is at its worst, not because of the ideology it has to follow, but because of the other ideologies it actually embraced.

To the contrary, the US and its allies are relevant only because of their present potential to dominate and destroy. But they are heading for the worst because of the core weaknesses and killer principles of their ideology. These have been exploited to their best by the corporate terrorist and other religious zealots. As a result, this part of the relevant world is on its way to becoming really irrelevant ¾ even beyond the not-so-irrelevant world — in the near future.

The not-so-relevant world consists of the countries like Japan, Nepal, Korea and others which have contributed token forces to join the United States' unlawful and illegal adventures in the Muslim countries from enforcing genocidal sanctions to sustaining puppet regimes and consolidating occupations.

The not-so-irrelevant world is technologically advanced and some of the countries have strong economies as well. But in the ultimate and real struggle of life that doesn't count. When the bubble of the much vaunted democracy and capitalism bursts, everyone would be equally devastated, except those who have an alternative model to resort to for governing their individual and collective lives.

The Muslim world has suffered different forms of colonialist adventures, direct and indirect occupations and outright economic exploitation at the hands of the capitalist institutions, particularly over the past two hundred years. The present turmoil is awakening its potential to rise and lead.

The more the Muslim world is pushed against the wall and the more the 21st century fascists promote the "war within Islam," the more it brings out its best against the worst and moves towards what it has to be. Iraqis could never think of the sacrifices that they are giving today. Despite suffering under the tutelage of Saddam for many years, they could not think of giving their lives to work towards the future they deserve.

Saddam is overthrown by the Iraqis' worst enemy and it is confirmed beyond any reasonable doubt that the US can never stay in Iraq for ever. The same will happen everywhere else. Although, the most favored mini-fascists would grant bases to the US. But that strategy has hardly paid off in the past, and this is highly unlikely to deny Muslims their right to self-determination for long.

Ideologically, once Muslims drifted from the core message of Islam, they tried many ideologies and ways of governing their individual and collective lives over the last 1300 years. Initially, they switched to empire building and later reduced themselves to sustaining kingdoms. Lately, they have been entertaining everything from sheikdoms to dictatorships and democratic tyrannies.

Muslims embraced communists and their ideology. Now most of the former communist-Muslims have jumped on the bandwagon of the modern-day fascists to become "moderates" and "progressives" Muslims. However, it won't be too long to see them switching their present ideology, just as they did after the fall of communism in our life time: before our eyes.

With the exposed objective of keeping Muslims away from the Qur'an and Sunnah, bankruptcy of the US-pushed "moderate" Islam is already fully known. It has left Muslims with no alien ideology and watered down version of Islam to try. They have already reached at the real 'end of history.' So is it for the other part of the relevant world, but it still believes that it has the most civilized, advanced and unique way of life, which it has the obligation to impose upon the Muslim world at any cost.

The US and its barbarian allies do not consider the presently not-so-irrelevant world as a challenge or a grave threat because it does not have an alternative ideology, a different way of life and some core principles that can lead them to establishing a perfect model for the humanity. Muslim world has it in the form of Islam; hence is the most dreaded enemy.

The signs of the Muslim world's going for the best and the US and Company's for the worst are before our eyes. According to the law of equal reaction for every action, the consequences of the US war on Islam have started leading it with its allies towards the beginning of the worst.

Apparently, there have been successes for the war lords since the staged 9/11: the Taliban have been removed along with their dream to establish an Islamic model; their supporters are either in hiding or paying the price in the US concentration camps; Iraq has been occupied; Syria, Iran, Saudi Arabia and Pakistan are threatened and scared to the core.

The US freely operates within Pakistan and other Muslim countries. It is a far greater success than Iraq and Afghanistan because in places like Pakistan, Saudi Arabia and Uzbekistan, the US did not shed even a single drop of blood yet it effectively controls these countries compared to its partial rule in Iraq and Afghanistan.

These apparent successes are, in fact, the cornerstones for the future failures. To keep the war machine in action abroad, the modern day fascists have to whip the hysterical frenzy of Islamic terrorism at home. They have to keep the mythical monsters alive. They have to consummate a police state at home. These measure led them to the kind of degeneration which even the war lords are now realizing with shock. In June 01, 2005 column, Thomas Friedman expressed his shock at the consequences of the kind of policies he and his colleague were promoting.

Friedman expresses his fear: "While no single change is decisive, could it all add up in a way so that 20 years from now we will discover that some of America's cultural and legal essence - our DNA as a